بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغی جماعت

حضرت مولانا ابو عمار
زاہد الراشدی

ناشر

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

عنوان : تبلیغی جماعت
تالیف : مولانا ابو عمار زاہد الراشدی
مرتب : ناصر الدین خان عامر
مجموعہ : مئی ۲۰۲۴ء
ناشر :
اشاعت :

فہرست

☆ پیش لفظ............ 11
☆ عرضِ ناشر............ 12

جماعت کے اَغراض واَہداف............ 13

☆ دعوتِ اسلام کے تقاضے اور تبلیغی جماعت............ 14
- تمام انسانیت کا دین............ 14
- گزشتہ مذاہب کا تسلسل............ 14
- دنیا کا امتحان اور آخرت کا حساب............ 15
- دعوتِ اسلام کی ذمہ داری............ 16
- صوفیاء کرام کی محنت اور تبلیغی جماعت............ 16

☆ دعوتِ دین کا عمل اور تبلیغی جماعت............ 21
- بانیٔ جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ............ 21
- صحابہ کرامؓ اور دینی شعبوں کی تقسیمِ کار............ 22
- تبلیغی جماعت کی مخصوص جدوجہد............ 22
- حزبیت اور اس کے نتائج............ 23
- تبلیغی جماعت اور علماء کرام............ 24

☆ تبلیغی جماعت کے اہداف............ 26
- دعوتی کردار کا ماحول قائم کرنے کی جدوجہد............ 26
- بانیٔ جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ملفوظات............ 27

اکابر شخصیات کا تذکرہ 31

☆ حضرت مولانا محمد زکریاؒ 32
- شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور 32
- مدینہ منورہ کی ہجرت 33
- علمی وروحانی ملجاوماویٰ 33

☆ حضرت مولانا انعام الحسنؒ 35
- حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے جانشین 35
- تبلیغی جماعت کی سادہ اور فطری جدوجہد 35
- حضرت جی اور رائے ونڈ کا عالمی اجتماع 36
- ایک زیارت کا احوال 36

☆ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ 38
- فاضلِ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل 38
- دعوت وتبلیغ کا انتخاب 39
- اسلامائزیشن میں کردار 39
- مفتی صاحبؒ کا صدقہ جاریہ 40

☆ حضرت حاجی عبدالوہابؒ 42
- فنافی التبلیغ بزرگ 42
- حاجی صاحبؒ کی شفقتیں اور دعائیں 43
- ایک عجیب اتفاق 43

☆ مولانا طارق جمیل اور ان کا مدرسۃ الحسنین 45
- ایک مقبولِ عام اور عالمگیر مبلغ 45
- مدرسۃ الحسنین 46
  - o درسی کتاب پر مقصود فن کی ترجیح 47
  - o تحریر وتقریر کے نقطۂ نظر سے عربی زبان کی تدریس 47

☆ مولانا طارق جمیل کا اندازِ دعوت و تبلیغ 50
- جنوبی ایشیا میں صوفیاء کرامؒ کی محنت 50
- دعوت و تبلیغ کا موازنہ تحفظ و دفاع سے 51
- قومی سیاست میں علماء کا کردار 52
- مولانا طارق جمیل کی جدوجہد اور اندازِ تبلیغ 53

رائے ونڈ اجتماعات میں حاضری 55

☆ سالانہ اجتماع ۱۹۹۹ء 56
- تبلیغی جماعت کا فطری انداز 56
- جماعت کے دو بنیادی کام 57
- دینی شعبوں کی "ریکروٹنگ ایجنسی" 57
- حضرت مولانا جمشید صاحب کا بیان 58
  - o ریل گاڑی کی مثال 58
- حضرت مولانا زبیر الحسن کا بیان 58
  - o خواہشات پوری کرنے کی اصل جگہ 59
  - o شادی بیاہ میں سادگی کی برکت 59

☆ سالانہ اجتماع ۲۰۰۴ء 60
- اجتماع کا ماحول اور سرگرمیاں 60
- بانیٔ جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا دردِ دل 60
- تبلیغی جدوجہد کے چار اصول 61
- جماعت میں وقت لگانے کے چھ فوائد 62
- جماعت کی جدوجہد کے نتائج 63
- اجتماع کے بیانات کا بنیادی نکتہ 64
- غیر مسلموں کو دینِ اسلام کی تبلیغ 64
  - o حضرت عمر فاروقؓ کا طرزِ تبلیغ 65

- مسلمانوں کو دین کے عقائد و اعمال کی تبلیغ 66
  - o نبی اکرمؐ کی تبلیغِ دین کی ہدایت 66

☆ سالانہ اجتماع ۲۰۰۸ء 68

- مولانا سعد کاندھلوی کا بیان 69
  - o مسبب الاسباب پر بھروسہ 69
- تبلیغی جماعت میں علماء کرام کا کردار 70
- سالانہ اجتماع کی نئی ترتیب 71

☆ سالانہ اجتماع ۲۰۱۳ء 73

- تبلیغی جماعت کا بنیادی مقصد 73
- میاں جی کا بیان 74
  - o گائے اور دودھ کی مثال 74
- مولانا سعد کاندھلوی کا بیان 74
  - o "فضائلِ اعمال" کے ساتھ "منتخب احادیث" کی تعلیم 74
  - o حلال و حرام کا شعور اور مسجد کی برکت 75
  - o باہمی حقوق کا ماحول اور سود کی نحوست 75

☆ سالانہ اجتماع ۲۰۱۴ء 77

- دعوت و تبلیغ کا عالمگیر دائرہ کار 77
- معاشرہ میں دین کی طرف واپسی کی محنت 77
- خیر القرون کا کردار زندہ کرنے کی ضرورت 78
- تبلیغی جدوجہد کے ثمرات 78

☆ سالانہ اجتماع ۲۰۱۵ء 80

- فضلائے مدارس کی "ہاؤس جاب" 80
- حضرت مولانا نذر الرحمٰن کا بیان 81
- حضرت مولانا احمد لاٹ کا بیان 81

☆ سالانہ اجتماع ۲۰۱۶ء.....83
- حضرت حاجی عبدالوہاب سے ملاقات.....84
- بزرگوں کا تذکرہ اجتماعی راہنمائی کے نقطۂ نظر سے.....84

☆ سالانہ اجتماع ۲۰۲۲ء.....86
- مولانا محمد ابراہیم دیولا کا بیان.....86
  - o اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمالِ خیر کی قدردانی.....86
  - o دعوت وتبلیغ کی محنت اور زندگی کی ترتیب.....87

☆ جامعہ بناء العلم رائے ونڈ میں حاضری.....89
- حدیثِ نبویؐ کا دین میں مقام ومرتبہ.....89
- علمِ دین کی ترویج میں خواتین کا کردار.....90
- فتویٰ دینے والی صحابیاتِ کرامؓ.....91
- حضرت عمرؓ کا مہر کی رقم مخصوص کرنے کا واقعہ.....91

سہ روزوں کا احوال.....93

☆ مسجد شیخہ سالم لاہور کا سہ روزہ.....94
- جامعہ اشرفیہ کی حاضری.....95
- دارالعلوم اسلامیہ اقبال ٹاؤن کی حاضری.....95
- خانقاہ سید احمد شہیدؒ کی حاضری.....95
- تبلیغی جماعت کا کام محدود یا مخصوص؟.....96
- بریلوی اور اہلِ حدیث مراکز کی حاضری.....97
- مرکزی جامع مسجد ماڈل ٹاؤن کی حاضری.....97
- جناب جاوید احمد غامدی کے گھر حاضری.....98
- ماڈل ٹاؤن لاہور میں مکاتبِ فکر کا مشترکہ عید اجتماع.....98

☆ زکریا مسجد فیصل آباد کا سہ روزہ.....100
- دعوتِ دین کا عمل.....100

o امتِ دعوت اور دائرۂ اسلام 100
o امتِ اجابت اور دائرۂ اعمال 101
• دعوتِ اسلام کے تین تاریخی کردار 101
• انسان کے وجود کا مقصد کیا ہے؟ 102
• آج کے دور میں دینداری کا تناسب 104
• اصل کامیابی اور نجات 105
• معاشرہ کی قوتِ مدافعت 106
☆ مسجد ابراہیم شیخوپورہ کا سہ روزہ 108
• عالمی ماحول میں اسلام کی دعوت 108
• داخلی ماحول میں اعمال کی دعوت 110
• تبلیغی جماعت کی محنت اور علماء کرام کی ذمہ داری 111
• تعلیمی اہداف پر توجہ کی ضرورت 111
o فرضِ کفایہ کا دائرہ 112
o فرضِ عین کا دائرہ 113
• امر بالمعروف اور نہی عن المنکر 114
• دعوت و تبلیغ کے ساتھ وابستہ رہنے کے ثمرات 116
☆ مرکزی جامع مسجد منڈی بہاؤالدین کا سہ روزہ 120
• سہ روزہ کا طریق کار اور مقاصد 120
• عوام الناس کے رجحانات سے آگاہی کی ضرورت 121
• تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کے دو فائدے 122
• چند سیاسی راہنماؤں سے ملاقات 123
• علم کے دائرے امام غزالیؒ کی نظر میں 124
• علم کی ضروریات 125
o علم کی حفاظت کا بندوبست 125

o علم کے استعمال کا سلیقہ........ 125
o عالم باعمل بننے کی ضرورت........ 126
o علم آگے پہنچانے کی ذمہ داری........ 127
• علم کی ذمہ داریاں........ 127
o دینداروں کے اعمال کی تصحیح........ 127
o بے دین لوگوں کی فکر........ 128
o دعوت اور تعلیم کی باہمی تقسیمِ کار کا احترام........ 128
☆ دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ کا سہ روزہ........ 130
• یو ایم ٹی میں چند گزارشات........ 130
• تہذیبوں کی کشمکش اور اہلِ دانش کی ذمہ داری........ 131
• "خذ ما صفا ودع ما کدر"........ 131
• دوطرفہ علم و شعور کی ضرورت........ 132
☆ جامع مسجد طوبیٰ شیخوپورہ کا سہ روزہ........ 134
• دین سے دوری کے نتائج........ 134
• دائرہ اسلام اور دائرہ اعمال کی ذمہ داری........ 135
• وکلاء حضرات کی خدمت میں!........ 136
☆ مرکزی جامع مسجد کامونکی کا سہ روزہ........ 138
• باہمی مشاورت کی ضرورت و اہمیت........ 138
• غزوۂ بدر کے قیدیوں کیلئے مشاورت........ 138
• غزوۂ اُحد کی دفاعی حکمتِ عملی کیلئے مشاورت........ 139

اعتراضات و توقعات کا جائزہ........ 141

☆ "فضائل اعمال" پر اعتراضات کا علمی جائزہ........ 142
• ضعیف احادیث اور جمہور محدثین........ 142
• احناف کا طرز استدلال........ 143

- سند کا ضُعف دور کرنے کے دیگر ذرائع.....143
- تبلیغی جماعت اور "فضائلِ اعمال".....144

☆ ڈیلی ٹیلی گراف کا الزام اور اعتراف.....146

☆ صدر پاکستان اور تبلیغی جماعت.....149

☆ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ کی ہدایت.....151

☆ دعوتِ دین اور جدید ذرائع ابلاغ.....153

☆ تبلیغی جماعت اور قومی سیاست.....157

☆ معاشی نظام اور ایک تبلیغی مثال.....160

☆ مسجد کے اعمال زندہ کرنے کی ضرورت.....163

- مسجد کے تین بنیادی کام.....163
- خیر القرون میں مسجد کا کردار.....164
- آج کل کی شادیوں کا ماحول.....165
- مسجد میں نکاح کا ایک خوش آئند واقعہ.....166

پیش لفظ

(اشاعت اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

دورِ حاضر میں سادہ اور عام فہم انداز میں مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے اور دینی ماحول میں واپس لانے کی کوشش اور اس کے لیے دعوت و تربیت کا سب سے بڑا دائرہ تبلیغی جماعت کا ہے جو بلاشبہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی قدس اللہ سرہ العزیز کی مخلصانہ مساعی اور جہدِ مسلسل کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس عمل و محنت نے پوری دنیا میں وسعت و پذیرائی حاصل کی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ اس کے کام اور ثمرات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، اللّٰھم زد فزد۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ میرا اس حد تک تعلق بچپن سے چلا آ رہا ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کے اجتماعات میں حاضری دیتا ہوں، اس محنت میں شریک ہونے والوں کی حوصلہ افزائی کے راستے تلاش کرتا ہوں، اور جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے میں نے پہلا سہ روزہ غالباً ۱۹۶۳ء کے دوران گکھڑ کے قریبی گاؤں کوٹ نورا میں لگایا تھا اور اب بھی گوجرانوالہ کے علماء کرام کی جماعت کے ساتھ سال میں ایک سہ روزہ میری ترتیب میں شامل ہوتا ہے، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ اس دوران مختلف مواقع پر بیانات کے ساتھ ساتھ اخباری مضامین اور کالموں کی صورت میں بھی اس کارِ خیر میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے، ان میں سے میسر بیانات اور مضامین زیرِ نظر مجموعہ کی صورت میں قارئین کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرمائیں کہ یہ چھوٹی سی کاوش ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت اور نجات کا باعث بن جائے، آمین یارب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی
خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ
۳۰ اکتوبر ۲۰۲۳ء

عرضِ ناشر

جماعت کے اَغراض واَہداف

دعوتِ اسلام کے تقاضے اور تبلیغی جماعت

تمام انسانیت کا دین

اسلام یہودیت اور ہندومت کی طرح نسلی دین نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کا دین ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اعلانِ نبوت کے بعد سے قیامت تک کا ہر انسان اسلام کی دعوت اور پیغام کا مخاطب ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیازات اور خصوصیات میں اس بات کا بطور خاص ذکر کیا ہے کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کسی خاص قوم، علاقہ یا محدود زمانے کے لیے مبعوث ہوتے تھے، مگر میں پوری انسانیت بلکہ "الی الخلق" تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میرے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے، قیامت تک میری ہی نبوت چلے گی اور نہ صرف ہر انسان بلکہ دونوں مکلف مخلوقوں یعنی انسانوں اور جنوں کا قیامت تک دنیا میں آنے والا ہر فرد اپنی نجات اور فلاح کے لیے میری دعوت اور تعلیمات کو قبول کرنے کا پابند ہے۔

گزشتہ مذاہب کا تسلسل

اسلام کوئی نیا مذہب اور دین نہیں بلکہ ان آسمانی تعلیمات کا تسلسل ہے جن کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا، اور ان کے بعد ہزاروں پیغمبروں کے ذریعے وہ آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی انسانوں تک پہنچتی رہی، تاآنکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کا آخری مکمل اور فائنل ایڈیشن قرآن کریم کی صورت میں نسل انسانی تک پہنچ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو قیامت تک اصلی حالت میں محفوظ رکھنے کے اعلان کے ساتھ ساتھ اس کی تعبیر وتشریح کے طور پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و تعلیمات اور سیرت و سنن کو بھی تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ کرنے کا اہتمام فرمادیا۔ چنانچہ خود قرآن کریم نے سابقہ آسمانی کتابوں توراۃ،

زبور، انجیل اور دیگر صحائف کے حوالہ سے اپنا تعارف اس طرح کرایا کہ وہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور ان کی تعلیمات کا محافظ ہے، اور اس کی دعوت بنیادی طور پر وہی ہے جو دعوت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں تک پہنچاتے آئے ہیں اور قرآن کریم انہی آسمانی تعلیمات کی صحیح، محفوظ اور مکمل شکل دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

دنیا کا امتحان اور آخرت کا حساب

نسلِ انسانی کے لیے اسلام کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ یہ زمین و آسمان اور کائنات کا وسیع تر نظام کسی حادثہ یا اتفاقیہ واقعہ کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے جو کائنات کا مالک، خالق اور مدبر و منتظم ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے بہتر مخلوق ہے جسے دنیا میں عارضی طور پر محدود وقت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہ امتحان گاہ ہے جہاں زندگی بسر کرنے کے لیے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعے ہدایات دی گئی ہیں۔ اگر انسان ان ہدایات کے مطابق دنیا کی عارضی زندگی بسر کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی ہمیشہ ہمیشہ کی خوشگوار زندگی نصیب ہوگی۔ اور اگر اس نے دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کی ہدایات و تعلیمات کی پروانہ کی اور اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزار دی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور اسے اپنے خالق و مالک کی ناراضگی اور عتاب کا نشانہ بننا پڑے گا۔

دنیا کی عارضی زندگی کے بعد انسان پر جو موت آتی ہے وہ فنا کا نام نہیں ہے، بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ برزخ کا ایک درمیانی دور گزارنے کے بعد اس انسان کو دوبارہ قبر سے اٹھایا جائے گا، حشر کے میدان میں سب کو اکٹھا کیا جائے گا، قیامت قائم ہوگی، حساب کتاب ہوگا، سب لوگوں کے ایمان و اعمال کے حساب کے بعد ان کے جنتی اور دوزخی ہونے کا فیصلہ ہوگا اور اس کے بعد سب انسان بلکہ جن بھی اس فیصلے کے مطابق جنت یا دوزخ میں منتقل کر دیے جائیں گے۔

دعوتِ اسلام کی ذمہ داری

اسلام کی یہ دعوت دنیا کے ہر انسان کے لیے ہے اور اسے دنیا کے ہر شخص تک پہنچانا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے سب انسانوں کی فلاح اور کامیابی اس چیز میں ہے جو ہمارے پاس ہے تو منطقی طور پر یہ بات خود بخود ہماری ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ہم نجات، فلاح اور کامیابی کے اس فارمولے کو دنیا کے ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ورنہ وہ پیغام اور دعوت نہ پہنچنے کی صورت میں دنیا کا کوئی شخص، طبقہ یا قوم ہدایت اور فلاح سے محروم رہ جاتی ہے تو اس کی اس محرومی کی ذمہ داری میں ہم بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہر دور میں امتِ مسلمہ کے حساس اور فرض شناس لوگوں نے دعوتِ اسلام کے فریضہ کی ادائیگی کی کوئی نہ کوئی عملی صورت ضرور نکالی ہے اور نسلِ انسانی تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا عمل ہر زمانے میں جاری رہا ہے۔

ایک زمانے میں مسلمان تاجر اور صوفیائے کرامؒ اسلام کی دعوت و تبلیغ کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتے تھے۔ مسلمان تاجر کاروبار کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں میں جاتے تھے اور ان کی ایمانداری، دیانت وامانت اور اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر ہزاروں لوگ مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ اسی طرح صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کافروں کے علاقوں میں ڈیرے لگاتے تھے۔ ان کی نیکی، تقویٰ، سادگی، قناعت اور روحانیت کے اثر و برکت سے پورے علاقے کی کایا پلٹ جایا کرتی تھی اور لاکھوں غیر مسلم انہیں دیکھ کر مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ دعوت کا فطری اور سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ یہی ہے، کیونکہ اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر قبول کیا جانے والا دین لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جاتا ہے اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس کے نتائج و اثرات کے مظاہر سے بھری پڑی ہے۔

صوفیاء کرام کی محنت اور تبلیغی جماعت

دعوت و تبلیغ کی موجودہ عالمگیر جدوجہد بھی اسی عمل کو زندہ کرنے کی محنت ہے، جس کا آغاز ایک مرد درویش حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے اب سے کم و بیش پون صدی قبل کیا۔ یہ ان کے خلوص اور جہد مسلسل کا ثمرہ ہے کہ ان کا لگایا ہوا پودا اب ایک تن آور درخت بن کر پوری دنیا میں برگ و بار دے

رہا ہے اور دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ پوری دنیا میں دن بدن وسیع ہوتا جارہا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی قائم کردہ تبلیغی جماعت کی محنت اور جدوجہد دراصل مسلمان معاشرہ کی اصلاح کی تحریک ہے۔ جس کا مقصد عام مسلمان کو دین کی طرف واپس لانا، مساجد کو آباد کرنا، دین کی بنیادی تعلیمات کو عام کرنا، مسلمانوں میں دینی فرائض و واجبات کا ذوق بیدار کرنا، سنت نبویؐ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا شوق ابھارنا، حلال و حرام کے فرق کا احساس دلانا اور باہمی حقوق و آداب کی ادائیگی کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے۔

یہ اصلاحِ نفس کی جدوجہد ہے اور فرد کی اصلاح کی محنت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ مشینری کی اصلاح کے لیے پہلے پرزوں کی اصلاح اور صفائی ضروری ہوتی ہے، اور سوسائٹی کی اصلاح کے لیے افراد کی اصلاح ایک مقدم اور ناگزیر ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ابتدائی مرحلہ ہے اور تبلیغی جماعت کے لاکھوں افراد دنیا بھر میں اسی مرحلہ کی جدوجہد میں شب و روز مصروف ہیں۔ جس سے تبلیغی جماعت کی قیادت کا مقصد اور حکمت عملی یہ سمجھ میں آتی ہے کہ دنیا کے ہر خطے کے مسلمانوں میں ایمان و اعمال اور اخلاق و کردار کے حوالے سے ایسے تربیت یافتہ افراد اور جماعتیں وجود میں آجائیں جو دین کی اجتماعی محنت اور دعوت و تبلیغ کے اگلے مراحل کے لیے بنیاد بن سکیں۔ کیونکہ کسی بھی جدوجہد کے لیے پہلے تربیت یافتہ افراد کار کی ضرورت ہوتی ہے، اور افراد کار کی تیاری کے بغیر کوئی بھی محنت اور تحریک کامیابی کی طرف نہیں بڑھ سکتی۔

اصلاحِ نفس اور افراد کی دینی و اخلاقی تربیت کی یہ محنت کسی دور میں ہماری خانقاہیں اور صوفیائے کرامؒ کیا کرتے تھے، اور یہی محنت اب زیادہ وسیع دائرے میں تبلیغی جماعت کر رہی ہے۔ اسی لیے میں تبلیغی جماعت کو "موبائیل خانقاہ" کہا کرتا ہوں۔ کام وہی ہے، طریق کار بھی وہی ہے اور اہداف بھی وہی ہیں، صرف دائرہ کار کے تنوع اور وسعت کا فرق ہے۔ اور چونکہ یہ دور عالمگیریت کا ہے، بین الاقوامیت کا ہے، اجتماعیت کا ہے، اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق "تقارب زمان" کا ہے، اس لیے اس خانقاہی نظام کو اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت نے بین الاقوامی وسعت اور تنوع کی شکل دے دی ہے۔

فرد اور نفس کی اصلاح کے بعد دوسرا مرحلہ دعوت و تبلیغ میں سوسائٹی کی اجتماعی اصلاح ہے۔ اس کے

لیے سوسائٹی کی اجتماعی خرابیوں کے خلاف آواز اٹھانا اور مظالم کے خلاف کلمہ حق بلند کرنا ضروری ہے۔ جسے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسی کے حوالے سے فرمایا ہے کہ معاشرہ میں پھیلنے والی برائیوں اور خرابیوں کو حسبِ موقع ہاتھ یا زبان سے روکنا اور دل میں ان کے خلاف نفرت قائم رکھنا ایمان کے تقاضوں میں سے ہے۔ اسی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے''۔ ان امور کا تعلق سوسائٹی کی اجتماعی اصلاح سے ہے اور ایک مسلم سوسائٹی کو برائیوں، خرابیوں اور مظالم سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ محنت ضروری ہے، ورنہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خرابیاں اور برائیاں پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور اس کی سزا میں بھی سب لوگ شریک ہوں گے۔ فرد اور نفس کی اصلاح کے بعد یہ اصلاح و تبلیغ کا دوسرا مرحلہ ہے جو مسلمانوں کے فرائض میں سے ہے اور جس کی طرف قرآن و سنت میں بطور خاص توجہ دلائی گئی ہے۔

اس کے بعد تیسرا مرحلہ غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا ہے جو اگرچہ پہلے دو مراحل پر موقوف نہیں ہے، لیکن اس کا دائرہ ان دونوں سے مختلف ہے۔ دنیا بھر کے غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا اور انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرانا ہماری ملی اور اجتماعی ذمہ داری ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت دنیا میں اس کا کوئی نظم موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں اور کافروں بالخصوص مغرب اور عالم اسلام کے درمیان کشمکش اور تصادم کا جو ماحول بن گیا ہے اور باہمی منافرت کی جو فضا دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، اس میں دعوت کے لیے مناسب ماحول کے امکانات دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ دعوت کا عمل مختلف ماحول اور نفسیات کا متقاضی ہوتا ہے، جبکہ کشمکش اور محاذ آرائی کا ماحول اور نفسیات و ضروریات اس سے بالکل مختلف بلکہ متضاد ہوتی ہیں، اور اس وقت یہی بات مسلمانوں کے بڑے حلقے میں کنفیوژن کا باعث بنی ہوئی ہے۔

ایک طرف مسلمانوں کے خلاف مغرب کی ثقافتی یلغار ہے، معاشی بالادستی کی جنگ ہے، مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ہزاروں مسیحی مشنریوں اور این جی اوز کی شبانہ روز محنت ہے، اور مسلم اقوام و ممالک کی آزادی و خود مختاری سلب کرنے کی معرکہ آرائی ہے، جس میں دوسری غیر مسلم اقوام بھی مغرب کی شریک کار ہیں۔ اس یلغار کا سامنا کرنے کے تقاضے مختلف ہیں اور اس کی ضروریات جدا ہیں۔ جبکہ

دوسری طرف دنیا کی مختلف اقوام تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہے، دعوت و تبلیغ کا دینی فریضہ ہے۔ اس کے تقاضے بالکل دوسرے ہیں اور اس کی ضروریات و نفسیات کا دائرہ قطعی طور پر اس سے متضاد ہے۔ کنفیوژن کی بات یہ ہے کہ ان دونوں ذمہ داریوں اور ان کے متضاد تقاضوں کے درمیان نہ تو کوئی حدِ فاصل قائم ہو رہی ہے اور نہ ہی امتِ مسلمہ کے دینی مراکز اور حلقوں کے درمیان تقسیم کار کی کوئی صورت دکھائی دے رہی ہے۔ ہماری موجودہ بدقسمتی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہر دینی مرکز اور حلقہ سارے کام خود کرنا چاہتا ہے اور دوسرے حلقوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہے۔ تقسیم کار اور اپنے حصے کا کام کر کے دوسرا کام دوسروں کے حوالے کر دینے کا ذوق ہم میں پیدا نہیں ہو رہا، جو ہماری بہت سی اجتماعی خرابیوں کی ایک بڑی وجہ ہے۔

ان حالات میں تبلیغی جماعت کا کام دیکھ کر ایک حد تک اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنے حصہ کا کام کر رہی ہے، خوب کر رہی ہے، اور اس کے نتائج بھی لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں میں تبدیلی کی صورت میں سامنے آ رہے ہیں۔ جبکہ اپنے دائرہ کار سے باہر کسی کام میں تبلیغی جماعت دلچسپی نہیں لیتی، حتیٰ کہ اس حد تک لاتعلق بن جاتی ہے کہ اسے اعتراضات کا نشانہ بھی بننا پڑ جاتا ہے۔ یہ بات بہت سے دوستوں کے ہاں عیب سمجھی جاتی ہے اور کمزوری شمار ہوتی ہے، مگر میرے نزدیک یہ خوبی کی بات ہے اور کمال کی بات ہے کہ تقسیم کار کے اصول کو سمجھا جائے، اپنے حصے کا کام دلجمعی سے کیا جائے، دوسروں کے حصے کے کام میں دخل نہ دیا جائے بلکہ ان پر اعتماد کیا جائے، کسی کے کام کی نفی نہ کی جائے اور اگر ممکن ہو تو ان سے تعاون کیا جائے۔ کیونکہ دین کسی ایک شعبے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی دین کی محنت کسی ایک شعبے میں منحصر ہے۔ جو شعبہ کسی کے ذوق سے مطابقت رکھتا ہو، اسے اسی میں کام کرنا چاہیے۔ اور دین کے دوسرے شعبوں کی نفی کرنے اور ان کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے ان سے تعاون کرنا چاہیے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ آج کے دور میں دین کی اجتماعی محنت کا یہ ناگزیر تقاضہ ہے جس سے صرفِ نظر کر کے ہم بہت سی خرابیوں اور ناکامیوں سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

تبلیغی جماعت کا عالمی تبلیغی اجتماع رائے ونڈ میں شروع ہے جو ۷ دسمبر اتوار کو ظہر سے قبل اجتماعی دعا پر اختتام پذیر ہو گا۔ دنیا بھر سے لاکھوں افراد اس میں شریک ہیں، جن میں علماء کرام، صلحائے عظام اور دینی کارکنوں کی بڑی تعداد شامل ہے۔ بیانات ہوں گے، دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجنے کے لیے

ہزاروں جماعتوں کی تشکیل ہوگی، دعوت و تبلیغ کے حوالے سے ہدایات جاری ہوں گی اور امتِ مسلمہ اور نسلِ انسانی کی ہدایت و فلاح کے لیے دعائیں ہوں گی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس اجتماع کو اپنے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائیں، دنیا بھر کے انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں اور اجتماع میں کیے جانے والے بیانات، اعمال اور دعاؤں کو قبولیت و رضا سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۶ دسمبر ۲۰۰۳ء)

دعوتِ دین کا عمل اور تبلیغی جماعت

تبلیغی جماعت ہمارے اس دور میں دین کی دعوت، عام مسلمان کو دین کی طرف واپس لانے، اور اصلاح وارشاد کی تجدیدی تحریک ہے جس کا آغاز شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے مایۂ ناز شاگرد حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ہاتھوں ہوا۔ اور یہ ان کے خلوص وللّٰہیت کا ثمرہ ہے کہ کم و بیش دنیا کا کوئی حصہ بھی دعوت و تبلیغ کی اس مبارک جدوجہد کی تگ و تاز سے خالی نہیں ہے۔ اس جدوجہد کا بنیادی ہدف عام مسلمان کو مسجد کے ساتھ جوڑنا اور عمومی سطح پر دینی ماحول کو زندہ کرنا ہے جس کے اثرات و ثمرات دن بدن پھیلتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

بانیٔ جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ گزشتہ صدی کی ان تجدیدی شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے دین کے مختلف شعبوں کو اپنی جدوجہد کا میدان بنایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وعنایات سے اپنی پُرخلوص محنت کے ساتھ پورے ماحول کو بدل دیا۔ کچھ عرصہ پہلے ایک مجلس میں تبلیغی جماعت کی خصوصیات و امتیازات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ میرے نزدیک حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کام کو ایک شعبے میں محصور رکھا اور دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں سے تعرض نہیں کیا۔ گزشتہ دو صدیوں میں بہت سے مفکرین سامنے آئے اور کسی نہ کسی کام کی دعوت کو لے کر اٹھے، اگر وہ اسی کام کی دعوت اور اس کے فروغ تک خود کو محدود رکھتے تو شاید انہیں مخالفت کا سامنا نہ کرنا پڑتا، مگر انہوں نے بیک وقت داعی، متکلّم، مناظر اور مفتی بننا بھی ضروری سمجھا۔ جس سے ان کا کام نہ صرف خلفشار کا شکار ہوا بلکہ وہ خود بھی متنازع حیثیت اختیار کرتے چلے گئے۔ لیکن یہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی بصیرت و فراست تھی کہ انہوں نے دعوت و تبلیغ اور اصلاح وارشاد کے اس کام کو چھ نکات میں سمویا اور اپنی جدوجہد کو اسی دائرے میں محدود کر

دیا۔ جبکہ عقائد کی تعبیرات اور احکام و مسائل کے بارے میں وہ یہی کہتے رہے کہ ”محلے کے مولوی صاحب سے دریافت کریں“۔ میری طالب علمانہ رائے میں یہ بہت بڑی حکمت کی بات تھی۔

صحابہ کرامؓ اور دینی شعبوں کی تقسیمِ کار

دین کے کاموں کی مختلف شعبوں میں تقسیم فطری ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے چلی آرہی ہے:

- حدیث کی روایت کا اہتمام کرنے والے صحابہ کرامؓ اپنا الگ امتیاز رکھتے تھے،
- قرآن کریم کی تفسیر و تاویل میں امتیازی شخصیات الگ نظر آتی ہیں،
- فقہ و استنباط کا ذوق رکھنے والی شخصیات دوسروں سے ممتاز دکھائی دیتی ہیں،
- کچھ صحابہ کرامؓ فتنوں سے آگاہی اور ان کی نشاندہی کے میدان میں جداگانہ ذوق کے حامل رہے ہیں،
- بعض ممتاز صحابہ کرامؓ کا قرآن کریم کے حفظ و قراءت میں الگ سے نام لیا جاتا ہے،
- جرنیل صحابہ کرامؓ کا امتیاز بھی موجود ہے،
- اور سیاست و انتظام میں معروف صحابہ کرامؓ کو بھی الگ سے گنا جاسکتا ہے۔

البتہ اس دور میں یہ بات نمایاں تھی کہ کسی شعبہ میں دین کے کام نے ”حزبیت“ کا رنگ اختیار نہیں کیا تھا، اور اپنے اپنے شعبہ میں کام کرتے ہوئے دوسرے شعبوں میں تعاون و اشتراک کا بھرپور جذبہ ہر سطح پر کارفرما تھا، اور اس لیے یہ تقسیم کار اپنے فطری دائرہ میں محدود تھا اور اس کے ثمرات سے امت نے بڑے عرصہ تک استفادہ کیا۔

تبلیغی جماعت کی مخصوص جدوجہد

بعض دوستوں کو یہ اعتراض ہے کہ دین کے فلاں فلاں کام تبلیغی جماعت والے نہیں کرتے اور انہوں نے دین کو ایک محدود دائرے میں بند کر دیا ہے۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ تبلیغی جماعت نے دین کو محدود نہیں کیا بلکہ اپنی جدوجہد کے دائرے کو محدود کیا ہے، جو تقسیمِ کار کے فطری اصول کے مطابق ہے اور حکمت و دانش کا تقاضا ہے۔ تبلیغی جماعت والے بنیادی طور پر دو تین کام

کرتے ہیں:

1. ایک عام مسلمان کو، جس کا مسجد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، گھر گھار کے مسجد کے ماحول میں لے آتے ہیں۔
2. جس شخص کا مولوی صاحب کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے، اسے بہلا پھسلا کر مولوی صاحب کے پیچھے نماز میں کھڑا کر دیتے ہیں۔
3. اور چند روز کے لیے اسے اپنے ساتھ چلا کر دین کی بنیادی باتیں سکھانے کی کوشش کرتے ہیں جن میں عقائد، احکام اور اخلاقیات شامل ہیں۔

یہ تینوں کام وہ کر رہے ہیں اور جس عمومی سطح پر وہ کام کرتے ہیں کوئی اور ادارہ نہیں کر رہا۔ ہمارے پاس مساجد و مدارس میں جو لوگ چل کر آتے ہیں ہماری محنت انہی تک محدود رہتی ہے، مگر تبلیغی جماعت والے چل کر لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور انہیں دین کے ماحول میں آنے کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ مسجد و مدرسہ کی آبادی بڑھانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ہم اگر ان دوستوں کے کام کو اسی سطح پر محدود رکھتے ہوئے اس سے اگلا کام خود کریں کہ ان کے بھرتی کیے ہوئے لوگوں کی دین کے دیگر شعبوں میں تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں، اور یہ طے کر لیں کہ بھرتی کا کام ان کا ہے اور اس سے اگلا کام ہمارا ہے، تو میرے خیال میں کوئی شکایت باقی نہیں رہے گی۔ مگر بدقسمتی سے ہماری اس طرف اجتماعی طور پر توجہ نہیں ہے جس سے دھیرے دھیرے حزبیت کا ماحول پیدا ہو رہا ہے۔

حزبیت اور اس کے نتائج

دین کے مختلف شعبوں میں ہونے والا کام جب تک حزبیت سے بچتے ہوئے باہمی تعاون و اشتراک کے ماحول میں ہوتا رہے گا، اس کے ثمرات و نتائج مثبت رہیں گے، لیکن جب اس میں تقسیمِ کار کی بجائے حزبیت کا رجحان غالب ہو گا تو وہ شکایات ضرور پیدا ہوں گی جن کا مختلف حلقوں کی طرف سے اظہار شروع ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ حزبیت کا خاصہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ "کل حزب بما لدیھم فرحون"۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی گروہ "حزب" بن جائے گا تو صرف اپنا کام ہی اسے اچھا لگے گا اور دوسرے کسی گروہ کے کام کو اچھا کہنا اس کے لیے مشکل ہو گا۔

ہمارے آج کے دور کی سب سے بڑی الجھن یہی ہے کہ دین کے مختلف شعبوں میں کی جانے والی

محنت تقسیم کار کی بجائے حزبیت کا رنگ اختیار کرتی جارہی ہے۔ اور یہ صرف تبلیغی جماعت کے حوالے سے نہیں بلکہ دوسرے بہت سے دینی شعبوں میں کام کرنے والے گروہوں کے جذباتی کارکنوں کی نفسیات بھی یہی ہے کہ انہیں صرف اپنا کام اچھا لگتا ہے، وہ اسی کام کے تقاضوں کو دین کے مجموعی ماحول کا تقاضا قرار دینے لگتے ہیں، اور دوسرے کسی شعبے کے دینی کام کی اگر وہ نفی نہ بھی کریں تو اس کا تذکرہ ایسے انداز میں کریں گے جیسے اس کام کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

تبلیغی جماعت اور علماء کرام

تبلیغی جماعت کے کام میں ایک اور بات بھی مشاہدہ میں آئی ہے کہ جہاں علماء کرام اس کام میں شریک ہیں اور ان کی راہنمائی میں کام ہورہا ہے وہاں کی صورتحال اور ہے، اور جہاں علماء کرام اس کام سے الگ تھلگ ہیں وہاں کی صورتحال اس سے بالکل مختلف ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے علماء کرام اس کام کے لیے وقف ہو جائیں اور اپنے اصل کام کو حرج میں ڈال دیں، بلکہ تعلیم و تدریس اور امامت و خطابت کا حرج کر کے کسی بھی دوسرے دینی کام کے ساتھ خود کو مختص کر لینا ویسے بھی دین کے مفاد کے خلاف بات ہوگی۔ دین کے کسی شعبے میں اس شعبہ کے دوستوں سے تعاون کرنے کا مطلب اپنے دینی کام کو کمزور کرنا نہیں، بلکہ باہمی تعاون کی ایسی فضا پیدا کرنا ہے جس سے دونوں ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث بنیں۔

اس لیے میری علماء کرام سے ہمیشہ یہ گزارش رہتی ہے کہ اپنے کام کو پوری طرح سرانجام دیتے ہوئے اس میں کوئی کمزوری لائے بغیر تبلیغی جماعت کے ساتھ اس درجہ کا تعلق ضرور قائم رکھیں کہ وقتاً فوقتاً اس میں تھوڑا بہت وقت لگاتے رہیں، تاکہ باہمی ربط و تعلق موجود رہے اور ہم سب ایک دوسرے کو کمزوریوں سے آگاہ کرتے ہوئے باہمی خوبیوں سے استفادہ کر سکیں۔ خود میرا معمول سالہا سال سے یہ ہے کہ سال میں ایک سہ روزہ پابندی کے ساتھ تبلیغی جماعت میں ان کے نظم کے مطابق لگاتا ہوں جو عام طور پر عید الاضحیٰ کی تعطیلات میں ہوتا ہے۔ اور یہ دکھاوے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ تبلیغی جماعت کا علماء کرام کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کی نیت کے علاوہ خود بھی اس ماحول سے بحمد اللہ استفادہ کرتا ہوں اور دینی فوائد محسوس کرتا ہوں۔

والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا ذوق و معمول بھی یہی تھا کہ وہ تبلیغی جماعت کے

کام کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اسے بنیادی طور پر دین کا کام سمجھتے ہوئے سراہتے بھی تھے۔ البتہ کچھ تحفظات بھی رکھتے تھے جن کا اظہار انہوں نے کبھی عمومی ماحول میں نہیں کیا بلکہ تبلیغی جماعت کے بزرگوں سے ان تحفظات پر بوقتِ ضرورت بات کی اور اسے اسی سطح پر رکھا ہے۔ حضرت والد گرامیؒ کے ساتھ میں بھی ایک خادم کے طور پر اکابر علماء کرام کے اس وفد میں شریک تھا جس میں مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ، مولانا حسن جان شہیدؒ، مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ، مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ اور غالباً مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر دامت برکاتہم بھی شامل تھے۔ ان بزرگوں نے رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر بھارت سے تشریف لانے والے سرکردہ تبلیغی بزرگوں سے ملاقات کر کے انہیں اپنے تحفظات سے آگاہ کیا تھا اور ان بزرگوں نے ان تحفظات کو تسلیم کرتے ہوئے اصلاح احوال کی کوشش کا وعدہ کیا تھا۔

اس واقعہ کے تذکرہ کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کا طریق کار یہ تھا کہ کسی بھی دینی کام میں اگر کام کرنے والوں سے کچھ شکایات ہیں تو انہیں شکایات کے درجہ میں ہی رکھا جائے۔ ہمارے اکابر کی احتیاط کا اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ اپنی گفتگو میں انہوں نے پاکستان کے تبلیغی بزرگوں کو بھی شامل نہیں کیا تھا کہ بات محدود سے محدود رہے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود تبلیغی جماعت کا کام دین کا کام ہے، ہمارا اپنا کام ہے اور دین کی دعوت و تبلیغ کے ساتھ عام مسلمان کی اصلاح و ارشاد کا کام ہے جس کے ساتھ تعاون دین کے تقاضوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۴ اپریل ۲۰۱۱ء)

تبلیغی جماعت کے اہداف

تبلیغی جماعت کی جدوجہد اصولی طور پر مسلمانوں کو دین کے عملی ماحول کی طرف واپس لانے، مسجدوں کو آباد کرنے، اور عام مسلمانوں میں دین کی تعلیم اور دینی اعمال پر عمل کا ذوق بیدار کرنے کی تحریک ہے۔

دعوتی کردار کا ماحول قائم کرنے کی جدوجہد

تبلیغی جماعت کے اہلِ دانش کا کہنا ہے کہ جب عام مسلمانوں میں دین پر عمل کا ماحول عام ہوگا، مسجدیں آباد ہوں گی، قرآن وسنت کی تعلیم کا فروغ ہوگا، اور امتِ مسلمہ مجموعی طور پر دینی ماحول کی طرف واپس آجائے گی تو اس سے دو بڑے فائدے ہوں گے:

1. ایک یہ کہ خود امتِ مسلمہ کے مسائل حل ہوں گے اور ان کی مشکلات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا، جو دین سے دوری اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں، اور روز بروز ان مسائل ومشکلات کی وسعت اور سنگینی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔
2. دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلم معاشرے میں دینی ماحول بحال ہونے سے غیر مسلم اقوام کے لیے بھی کشش اور دلچسپی کا سامان مہیا ہوگا، جو دنیا بھر کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے اور جناب رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی طرف راغب کرنے کا باعث بنے گا۔

چنانچہ اس کے لیے تبلیغی جماعت کے قائدین مسلم معاشرے میں دینی ماحول کی بیداری اور مسجد کی رونق وآبادی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قرونِ اولیٰ میں اسلام کی دعوت دنیا بھر میں پھیلنے اور بہت سی غیر مسلم اقوام کے اسلام قبول کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ مسلمانوں کا دینی کردار اور اخلاقی برتری رہی ہے۔ یہ دینی ماحول اور اخلاقی برتری آج بھی بحال ہوجائے تو دنیا بھر میں اسلام کی

دعوت کے فروغ اور سات ارب انسانوں پر مشتمل پوری دنیا کی آبادی کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

بانیٔ جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ملفوظات

عام مسلمانوں کو دین کے اعمال اور ماحول کی طرف واپس لانے کی محنت کا آغاز ایک بزرگ عالمِ دین مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے میوات کے علاقے سے کیا تھا جو برصغیر کے معروف دینی رہنما شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد تھے، اور ان کی زندگی میں ہی ان کے خلوص وللّٰہیت کے باعث ان کی یہ محنت ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئی تھی۔ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی وفات ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ کو ہوئی، اس طرح اس جدوجہد کو پون صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس کے اثرات دنیا بھر میں مسلسل وسیع ہوتے جارہے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے بانی اور سب سے پہلے امیر حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے پیشِ نظر اس محنت کے اہداف کیا تھے اور وہ کن مقاصد کے لیے اس میدان میں سرگرمِ عمل ہوئے تھے؟ اس کی ایک جھلک ان کے ملفوظات پر مشتمل ایک کتابچے میں دیکھی جاسکتی ہے جو برصغیر کے نامور عالمِ دین حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے مرتب کیا تھا اور دارالاشاعت اردو بازار کراچی کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند ملفوظات ہم قارئین کی خدمت میں پیش کررہے ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پوری دنیا میں مسلسل پھیلنے والی اس دینی جدوجہد کے اہداف کیا تھے اور وہ کن مقاصد کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ

- انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانۂ نبوت سے ان کو بُعد ہوتا تھا، دینی امور اپنی روح اور حقیقت سے خالی ہوکر ان کے ہاں محض ''رسوم'' کی حیثیت اختیار کرلیتے تھے اور ان کی ادائیگی بس ایک بڑی رسم کے طور پر ہوتی تھی۔ اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لیے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹاکر امتوں کو امورِ دین کی اصل حقیقتوں اور حقیقی روحِ شریعت سے آشنا کرتے تھے۔ سب سے آخر میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس وقت جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا ان کی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی

شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی بھی تھا تو اس کی حیثیت محض چند بے روح رسوم کے مجموعے کی سی تھی، انہی رسوم کو وہ اصل دین و شریعت سمجھتے تھے۔ جناب رسول اللہؐ نے ان رسوم کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکامات کی تعلیم دی۔ امتِ محمدیؐ بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے، اس کی عبادات تک میں یہ رسومات اتر چکی ہیں حتیٰ کہ دین کی تعلیم بھی، جو اس قسم کی ساری خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونا چاہیے تھی، وہ بھی بہت سی جگہ ایک رسم سی بن گئی ہے۔ چونکہ سلسلۂ نبوت اب ختم کیا جا چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری امت کے علماء پر رکھ دی گئی ہے جو نائبینِ نبیؐ ہیں، تو انہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فسادِ حال کی اصلاح کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوں۔

- طریقت کی خاص غایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کا مرغوبِ طبعی اور نواہی کا مکروہِ طبعی ہو جانا، یعنی ایسی کیفیت پیدا ہو جانا کہ احکام و اوامر ہی کے بجالانے میں لذت و فرحت حاصل ہو، اور نواہی یعنی ممنوعات کے پاس جانے سے اذیت اور کراہت ہونے لگے۔ یہ تو ہے طریقت کی غایت، باقی جو کچھ ہے یعنی خاص اذکار و اشغال اور مخصوص قسم کی ریاضت وغیرہ، وہ اس کی تحصیل کے ذرائع ہیں۔ لیکن اب بہت سے لوگ ان ذرائع ہی کو اصل طریقت سمجھنے لگے ہیں حالانکہ بعض تو ان میں سے بدعت ہیں۔ بہرحال چونکہ ان چیزوں کی حیثیت صرف ذرائع کی ہے اور یہ بذاتِ خود مقصود نہیں، اس لیے احوال و مقتضیات کے اختلاف کے ساتھ ان پر نظرِ ثانی اور حسبِ مصلحت ترمیم و تبدیلی ضروری ہے۔ البتہ جو چیزیں شریعت میں مخصوص ہیں وہ ہر زمانے میں یکساں طور پر واجب العمل رہیں گی۔
- جو لوگ گورنمنٹ (انگریز سرکار) کے وفادار اور حامی سمجھے جاتے ہیں درحقیقت وہ کسی کے بھی وفادار اور حامی نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں۔ البتہ آج چونکہ ان کی وہ دنیوی اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں اس لیے وہ اس کے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں، لیکن اگر کل ان کی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں تو وہ اسی درجہ میں ان کے بھی حامی اور وفادار ہو جائیں گے، ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے۔۔۔ تو ان لوگوں کی اصلاح کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ ان کو برا بھلا کہا جائے یا بس گورنمنٹ کی مخالفت پر ان کو آمادہ کیا جائے۔ ان کی اصل بیماری

نفس پرستی ہے اور جب تک یہ ان میں موجود رہے گی، اگر گورنمنٹ کی حمایت انہوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغراض کے لیے وہ کسی اور بڑی طاقت کے وفادار بن جائیں گے۔ اس لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کی بجائے خدا پرستی پیدا کی جائے اور اللہ اور اس کے دین کا انہیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے، اس کے بغیر ان کی بیماری کا علاج نہیں ہو سکتا۔

- ہماری اس تحریک کا اصل مقصد مسلمانوں کو "جمیع ماجاء به النبی" یعنی جو کچھ جناب نبی اکرمؐ لائے وہ سکھانا ہے، اور اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا ہے۔ رہی قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ، اور کلمہ و نماز کی تعلیم و تلقین گویا ہمارے پورے نظام کی الف ب ت ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورا کام نہیں کر سکتے، ان سے تو بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں، اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہلِ دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والے علماء و صلحاء کو بے چارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں۔ ہر جگہ پر اصل کام تو وہاں کے کارکن ہی کر سکیں گے۔ ہمارے طریقۂ کار میں دین کے واسطے جماعتوں کی شکل میں گھروں سے دور نکلنے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کا خاص فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعے اپنے دائمی اور جامد ماحول سے نکل کر ایک نئے صالح اور متحرک ماحول میں آجاتا ہے جس میں اس کے دینی جذبات کی نشوونما کا بہت کچھ سامان ہوتا ہے۔ نیز اس سفر و ہجرت کی وجہ سے جو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں پیش آتی ہیں، اور دربدر پھرنے سے جو ذلتیں اللہ تعالیٰ کے لیے برداشت کرنا ہوتی ہیں ان کی وجہ سے اللہ کی رحمت خاص طور پر متوجہ ہو جاتی ہے۔
- اپنی اس تحریک کے ذریعے ہم ہر جگہ کے علماء و اہلِ دین اور دنیاداروں میں میل ملاپ اور صلح و آشتی بھی کرانا چاہتے ہیں۔ نیز خود علماء اور اہلِ دین کے مختلف حلقوں میں الفت و محبت اور تعاون و یگانگت کا پیدا کرنا بھی اس سلسلہ میں ہمارے پیشِ نظر بلکہ ہمارا اہم مسئلہ ہے، اور یہ دینی دعوت ہی ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ذریعہ و وسیلہ بنے گی۔ افراد اور جماعتوں میں اختلافات اغراض ہی کے اختلاف سے پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے تمام گروہوں

کو دین کے کام میں لگانے اور خدمتِ دین کو ان کا سب سے اعلیٰ مقصود بنانے کی اس طرح کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے جذبات اور طریقِ عمل میں موافقت پیدا ہو جائے، یہی چیز نفرتوں کو محبتوں میں بدل سکتی ہے۔

- ایک ضرورت یہ ہے کہ تبلیغ سے تعلق رکھنے والوں کا یہاں اب مخلوط مجمع رہے جس میں ہر طبقے اور ہر طرح کے لوگ شامل ہوں۔ علماء بھی ہوں، اہل الذکر بھی ہوں، انگریزی تعلیم یافتہ بھی ہوں، تاجر بھی ہوں اور غریب عوام بھی ہوں۔ اس سے ہمارے طریق کار کو سمجھنے اور عملاً اس پر قابو پانے میں بڑی مدد ملے گی، اور ہم جو مختلف طبقات کا باہم اختلاط اور تعاون چاہتے ہیں اس کی بنیاد بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے پڑ جائے گی۔ دین میں ٹھہراؤ نہیں ہے، یا تو آدمی دین میں ترقی کر رہا ہوتا ہے اور یا نیچے گرنے لگتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ باغ کو جب پانی اور ہوا موافق ہو تو وہ سرسبزی اور شادابی میں ترقی ہی کرتا رہتا ہے، اور جب موسم ناموافق ہو اور پانی نہ ملے تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ سرسبزی اور شادابی اپنی جگہ ٹھہری رہے بلکہ اس میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے، یہی حالت آدمی کے دین کی ہوتی ہے۔
- حدیث میں آتا ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ مگر افسوس! لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقہ والوں کے ساتھ رحم کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے۔ اس لیے ان کو اس شخص پر رحم تو آتا ہے جو بھوکا ہو، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمان کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا۔ گویا دنیا کے نقصان کو نقصان سمجھتا ہے لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا۔ پھر آسمان والا ہم پر رحم کیوں کرے جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت ابتر ہونے پر رحم نہیں آتا۔ ہماری تبلیغ کی بنیاد اسی رحم پر ہے، اس لیے یہ کام شفقت اور رحم ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۲۰ نومبر ۲۰۱۱ء)

اکابر شخصیات کا تذکرہ

حضرت مولانا محمد زکریاؒ

یہ خبر پورے عالمِ اسلام کے لیے انتہائی صدمہ اور گہرے رنج وغم کا باعث بنی ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے بزرگ رہنما، تبلیغِ اسلام کی عالمی تحریک تبلیغی جماعت کے سرپرست اعلیٰ، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سابق شیخ الحدیث اور لاکھوں مسلمانوں کے روحانی پیشوا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ ۲۴ مئی کو مدینہ منورہ میں طویل علالت کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد زکریاؒ کا تعلق علماء کے اس عظیم خاندان سے تھا جس نے دنیائے اسلام کو بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ جیسی عظیم شخصیات کے علوم وفیوض سے بہرہ ور کیا۔ اس علمی خانوادہ نے ایک طویل عرصہ تک دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت اور ترویج کے لیے ٹھوس اور نتیجہ خیز خدمات سرانجام دیں اور ان کی جدوجہد کے مثبت ثمرات ونتائج آج پورے عالمِ اسلام میں نمایاں طور پر محسوس کیے جا رہے ہیں۔

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

مولانا محمد زکریاؒ نے ایک عرصہ تک مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیے اور ہزاروں طلبہ کو "قال اللہ و قال رسول اللہ" کا درس دیا۔ مولانا مرحوم کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جو آج اپنے شفیق استاذ کی جدائی کے غم میں نڈھال دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ عربی اور اردو میں متعدّد وقیع کتابوں کے مصنف تھے جنہیں علمی و دینی حلقوں میں شاندار پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اور تبلیغی نقطۂ نظر سے لکھے گئے چند اہم رسائل کے مجموعہ کو "تبلیغی نصاب" کے عنوان سے اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا وہ مقام بخشا کہ ماضی قریب میں شاید ہی کسی اور تصنیف کو یہ قبولیت حاصل ہوئی ہو۔ دنیا کی کم و بیش ہر اہم زبان میں اس کتاب کے تراجم موجود ہیں اور عالمِ اسلام میں دعوت و تبلیغ سے تعلق رکھنے والا کوئی گھر، مرکز یا مسجد ایسی نہیں دکھائی دے گی جس میں تبلیغی

نصاب موجود نہ ہو یا اس کا باقاعدہ درس نہ ہوتا ہو۔ اس مجموعۂ رسائل کو تبلیغ اسلام کی عالمی تحریک تبلیغی جماعت کے باقاعدہ نصاب کی حیثیت حاصل ہے۔

مدینہ منورہ کی ہجرت

مولانا محمد زکریاؒ نے کچھ عرصہ قبل سہارنپور سے ہجرت کر کے دیارِ حبیب علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کو اپنا وطن بنا لیا اور آخر دم تک مدینہ منورہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ ان کی تمام تر ہمدردیاں، تعاون اور خدمات تبلیغی جماعت کے لیے وقف تھیں اور انتہائی ضعف، علالت اور اعذار کے باوجود آخر دم تک اس تحریک کی عملی سرپرستی فرماتے رہے۔ اس علالت اور پیرانہ سالی میں افریقہ، پاکستان اور بھارت کے سفر، وہاں کئی کئی ہفتے قیام اور علماء و عوام سے ملاقاتیں اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہمت اور حوصلہ سے زیادہ اس مشن کے ساتھ ان کے قلبی لگاؤ کا مظہر ہے۔

علمی و روحانی ملجا و ماویٰ

مولانا زکریاؒ قافلۂ ولی اللّٰہی اور کاروانِ علماء حق کے بزرگ ترین رہنما اور مربی تھے اور انہیں عوام کے علاوہ خواص اور اکابر علماء کے علمی و روحانی ملجاء و ماویٰ کی حیثیت حاصل تھی۔ اکابر و اصاغر ان کی دعاؤں کو اپنے لیے سعادت اور نجات کا ذریعہ خیال کرتے اور بڑے بڑوں کو یہ تمنا ہوتی کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ان کے لیے اٹھیں، جب یہ ہاتھ اٹھتے تو ہر طرف سکون و انبساط کی لہر دوڑ جاتی اور پوری محفل روحانی کیف و لذت کے دائرے میں آجاتی۔ وہ بظاہر ایک درویش عالمِ دین اور منکسر المزاج بزرگ تھے لیکن عوام و خواص کے دلوں میں ان کی حکومت تھی۔ اور اس بات میں کوئی شبہ یا مبالغہ نہیں ہے کہ تحریک ولی اللّٰہی اور دعوت و تبلیغ سے دلچسپی اور تعلق رکھنے والے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کے دلوں کا بادشاہ دنیا سے اٹھ گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریاؒ تو سعادت اور نیک بختی کی شاہراہ پر اپنا زندگی کا سفر مکمل کر کے ہم سے رخصت ہو گئے اور جنت البقیع میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدموں میں جا بسے ہیں، لیکن عالمِ اسلام میں علمی، روحانی اور دینی اعتبار سے جو خلا چھوڑ گئے ہیں وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔ خصوصاً اس دور میں جبکہ اہلِ علم و فضل ایک ایک کر کے دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ لینے والا

کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔ اس لحاظ سے ان کی وفات سے ملتِ اسلامیہ کو ہونے والے نقصان کی گہرائی وگیرائی میں ہوشربا اضافہ ہوتا جارہا ہے اور یقیناً یہ صدمہ عالمِ اسلام کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے درجات بلند فرمائیں، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینِ حق کی مثبت اور مؤثر خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

(ہفت روزہ ترجمان اسلام، لاہور-۲۸ مئی ۱۹۸۲ء)

حضرت مولانا انعام الحسنؒ

تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن ۹ جون کو دہلی میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات کی خبر آناً فاناً دنیا بھر کے تبلیغی مراکز میں پہنچ گئی اور دنیا کے کونے کونے میں دعوت و تبلیغ کے عمل سے وابستہ لاکھوں مسلمان رنج و غم کی تصویر بن گئے۔

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے جانشین

مولانا انعام الحسن کو تقریباً تیس برس پہلے تبلیغی جماعت کے دوسرے امیر حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی وفات کے بعد عالمگیر تبلیغی جماعت کا امیر منتخب کیا گیا تھا۔ ان کی امارت میں دعوت و تبلیغ کے عمل کو عالمی سطح پر جو وسعت اور ہمہ گیری حاصل ہوئی وہ ان کے خلوص و محنت کی علامت ہے۔ دعوت و تبلیغ کا یہ عمل جو حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے کم و بیش پون صدی قبل میوات کے سادہ اور دین سے بے بہرہ مسلمانوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آراستہ کرنے کے لیے شروع کیا تھا، آج عالمِ اسلام میں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور دین کی بنیادی باتوں کی دعوت کی سب سے بڑی اور منظم جدوجہد کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور اس میں مولانا انعام الحسنؒ کی پُر خلوص محنت کا بہت بڑا حصہ ہے۔

تبلیغی جماعت کی سادہ اور فطری جدوجہد

یہ جدوجہد سادہ اور فطری طریق کار پر مبنی ہے جس میں اعتقادی، فکری اور فقہی مباحث سے مکمل طور پر گریز کرتے ہوئے عام مسلمان کو کلمہ طیبہ، نماز، قرآن کریم اور سنت نبویؐ کے ساتھ جوڑنے کی فکر کی جاتی ہے۔ اور اس بات کی محنت کی جاتی ہے کہ آج کے مسلمانوں میں قرونِ اولیٰ والے مسلمانوں کے اوصاف و اعمال کو زندہ کیا جائے۔ تبلیغی جماعت کے اکابرین کا کہنا ہے کہ اگر ہمارے اندر قرونِ اولیٰ

والے اعمال اور اوصاف زندہ ہوجائیں تو آج بھی انسانیت کو نجات کے راستے پر گامزن کیا جاسکتا ہے۔ مولانا انعام الحسنؒ بھی انہی تعلیمات کے داعی تھے اور تبلیغی جماعت کے دیگر اکابرین کی طرح کوئی الگ اور امتیازی بات کرنے کی بجائے وہی اجتماعی بات کرتے تھے جو سب تبلیغی اکابر عام طور پر کرتے ہیں۔ لیکن ان کا خلوص، تقویٰ اور لہجہ کی سادگی اس قدر پرکشش تھی کہ عام لوگ ان کی گفتگو سننے کے لیے کھنچے چلے آتے تھے اور دیندار مسلمان ان کی زیارت اور ان کے ساتھ دعا میں شرکت کو اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔

حضرت جی اور رائے ونڈ کا عالمی اجتماع

مولانا انعام الحسنؒ کو تبلیغی حلقوں میں ''حضرت جی'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ رائے ونڈ میں نومبر کے دوران ہر سال منعقد ہونے والے عالمی تبلیغی اجتماع میں حضرت جی کی نصیحتیں سننے اور ان کے ساتھ دعا میں شریک ہونے کے لیے عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بڑے علماء اور اہل اللہ بھی موجود ہوتے تھے اور دعا میں ان کے سادہ جملوں پر لاکھوں آنکھیں پُرنم ہوجاتی تھیں۔ رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع کو یہ وسعت اور قبولِ عام بھی انہی کے دور میں حاصل ہوا کہ اسے حج بیت اللہ اور حرمین شریفین میں آخری عشرۂ رمضان المبارک کی حاضری کے بعد عالمِ اسلام کا سب سے بڑا سالانہ اجتماع شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس اجتماع میں دنیا کے ہر خطہ اور براعظم سے تعلق رکھنے والے مسلمان نہ صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ ان میں سے ہزاروں جماعتیں تشکیل پاکر دنیا بھر میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے نکل کھڑی ہوتی ہیں، جو کسی حکومت یا ادارے پر بوجھ بنے بغیر اپنے ذاتی خرچہ پر دین سیکھنے اور دین پر عمل کی دعوت دینے کے جذبہ کے ساتھ قریہ قریہ بستی بستی گھومتی ہیں۔

ایک زیارت کا احوال

راقم الحروف کو رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے ارشادات سننے اور ان کے ساتھ دعا میں شرکت کا موقع کئی بار ملا لیکن زیارت نہ کرسکا۔ کیونکہ اتنے بڑے ہجوم میں اس قدر آگے گھسنا اور دھکم پیل کرنا میرے مزاج کے خلاف ہے، البتہ گزشتہ سال رب العزت نے یہ موقع بھی عنایت فرمادیا جب حضرت جیؒ ڈیوزبری برطانیہ میں یورپ کے سالانہ تبلیغی اجتماع میں شرکت

کے لیے تشریف لائے۔ اس اجتماع میں شرکت کا مجھے بھی موقع ملا جو بلاشبہ مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع تھا اور ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس سے پچاس ہزار تک افراد اس میں شریک تھے۔ اجتماع کے بعد دہلی واپسی کے لیے بیتھر وایئرپورٹ پر پہنچے تو رخصت کرنے والوں میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ حضرت جیؒ معذوروں کی کرسی پر بیٹھے تھے، جسم پر کمزوری اور نقاہت کے آثار تھے مگر چہرے کا نور دیکھ کر خدا یاد آرہا تھا۔ اس موقع پر رخصت کرنے کے لیے آنے والے سینکڑوں مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے مختصر دعا کرائی۔ کیا خبر تھی کہ اس مرد درویش کی یہ پہلی زیارت ہی آخری زیارت ثابت ہوگی۔

آج حضرت جیؒ اپنے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں عقیدت مندوں، بلکہ کروڑوں بھی کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو، داغِ مفارقت دے کر اپنے خالق ومالک کے پاس جا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، آمین یاالٰہ العالمین۔

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ - اجولائی ۱۹۹۵ء)

حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ

حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ انہوں نے ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور آخری چار سال بستر علالت پر گزارے۔ چند ماہ قبل میں نے ان کے ہاں حاضری دی تو گفتگو فرماتے تھے لیکن شناخت اور پہچان کی قوت کمزور پڑ چکی تھی۔ مولانا حکیم عبد الرحیم اشرفؒ کی بھی آخری عمر میں یہی کیفیت تھی، ان کی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوا تو بہت باتیں کیں مگر پہچان نہ پائے، حالانکہ ان کے ساتھ طویل محفلوں کی رفاقت رہی ہے۔ مولانا مفتی زین العابدینؒ اور مولانا حکیم عبد الرحیم اشرفؒ فیصل آباد کی دینی شناخت تھے۔ ان کے ساتھ مولانا تاج محمودؒ کو بھی شامل کر لیا جائے تو وہ تکون مکمل ہو جاتی ہے جس کے ہاتھ میں طویل عرصے تک فیصل آباد کی دینی تحریکوں کی قیادت رہی ہے۔ فیصل آباد جو کبھی ''لائل پور'' تھا، فیصل آباد بھی انہی کی مساعی کے نتیجے میں بنا۔

فاضلِ دار العلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

مولانا مفتی زین العابدینؒ کا آبائی تعلق میانوالی سے تھا۔ دار العلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے کسبِ فیض کیا اور فیصل آباد میں کچہری بازار والی مرکزی جامع مسجد کے خطیب کی حیثیت سے وہاں آئے۔ ایک عرصے تک خطابت کا جادو جگایا، سنجیدہ گفتگو کی پشت پر علم کا سمندر ہوتا تھا، اور خلوص و للّٰہیت کی چاشنی اس کا مزہ دوچند کر دیا کرتی تھی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ان کے جوہر کھلے جس میں انہوں نے قائدانہ کردار ادا کیا اور قید و بند کے مراحل سے بھی گزرے۔ ذہن سیاسی تھا اور سیاست کے داؤ پیچ خوب سمجھتے تھے مگر مزاج کو اس سے ہم آہنگ نہ کر سکے ورنہ وہ سیاست میں ہوتے تو بہت آگے جاتے۔ انہوں نے اپنی عملی تگ و تاز کے لیے دعوت و تبلیغ کے میدان کو منتخب کیا اور امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ کی رفاقت میں اس میدان میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ مولانا محمد یوسف دہلویؒ سے ان کی عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ اپنے سب بیٹوں کا نام یوسف رکھا، جو مولانا محمد یوسف

اول، مولانا محمد یوسف ثانی، مولانا محمد یوسف ثالث، اور مولانا محمد یوسف رابع کہلاتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کا انتخاب

تبلیغی جماعت کی جدوجہد کا میدان عالمی ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی شروع کردہ یہ تحریک عام مسلمانوں کو دین سے وابستہ رکھنے اور دین کی بنیادی باتوں کی تعلیم کو مسلم معاشرے میں عام کرنے کے لیے پوری دنیا میں سرگرم عمل ہے۔ اور یہ معاملہ صرف تعلیم و معلومات فراہم کرنے تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے مطابق عملی تربیت دینے اور اس کے رنگ میں رنگنے کو سب سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ مولانا مفتی زین العابدینؒ نے بھی اسی میدان کو منتخب کیا اور دین کی بنیادی باتیں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا، لاکھوں لوگوں نے ان کے خطابات کو سنا، ہزاروں افراد کی زندگیاں ان کی صحبت میں بدلیں، اور علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت نے ان سے دعوت و تبلیغ کا سلیقہ سیکھا۔ علمائے کرام کے اجتماعات میں ان کے خطابات کا رنگ ہی اور ہوتا تھا کہ وہ علمی نکات بیان کرتے، عملی تجربات کا ذکر کرتے، اور منطقی نتائج کی منظر کشی کرتے ہوئے علمائے کرام کو دین کی دعوت و تبلیغ کے کام میں شریک ہونے کے لیے تیار کرتے۔

چنانچہ مولانا مفتی زین العابدینؒ کی جدوجہد کا بنیادی میدان دعوت و تبلیغ تھا اور وہ خود پر اس کے علاوہ کسی اور کام کی چھاپ نہیں لگنے دیتے تھے۔ البتہ دینی جدوجہد کے دیگر شعبوں سے لاتعلق بھی نہیں رہتے تھے بلکہ مشورے اور رہنمائی کی حد تک اس میں ضرور شرکت کرتے تھے۔ فیصل آباد میں دینی تحریکات کو ہمیشہ ان کی سرپرستی اور راہنمائی حاصل رہی ہے۔ خود مجھے جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے متعدد بار ان کی شفقتوں اور مشوروں سے حصہ ملا ہے بلکہ بعض اوقات ان کی سرزنش کے مراحل سے بھی گزرا ہوں۔ وہ ہمارے کام پر نظر رکھتے تھے، جہاں ضرورت سمجھتے تھے مشورہ دیتے تھے، اہم معاملات میں رہنمائی کرتے تھے، کہیں غلطی دیکھتے تو ٹوکتے اور تنبیہ بھی کرتے تھے۔

اسلامائزیشن میں کردار

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اسلامائزیشن کے جو دستوری اور قانونی اقدامات ہوئے، ان

میں حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ اور حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی طویل محنت اور جنرل صاحبؒ سے ان کے مسلسل رابطوں کا بڑا حصہ ہے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے جنرل ضیاء الحق مرحوم بھی سب سے زیادہ انہی کے مشوروں پر اعتماد کرتے تھے۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں اسلامائزیشن کے جو دستوری اور قانونی اقدامات ہوئے وہ اگرچہ عملی مراحل سے تو نہیں گزرے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کو ختم کرنے اور اسے سیکولر ریاست کی حیثیت دینے میں وہی اقدامات اس وقت سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان اقدامات کے پیچھے حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ اور حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ جیسے بزرگوں کا خلوص اور دعائیں کارفرما رہی ہیں۔ بلکہ میں ان کے ساتھ حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اور مولانا ظفر احمد انصاریؒ کو بھی شامل کرنا چاہوں گا کہ ان کے بغیر یہ تذکرہ شاید مکمل نہ ہو پائے کیونکہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی ان معاملات میں مشاورت اور رابطوں کے سرکل کا وہ بھی مسلسل حصہ رہے ہیں۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے ایک مرحلے پر مجھے بھی اس دائرے میں لانے کی کوشش کی مگر میں اپنے سیاسی مزاج، افتادِ طبع، اور جماعتی پس منظر کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا۔

مفتی صاحبؒ کا صدقہ جاریہ

مولانا مفتی زین العابدینؒ نے جہاں دعوت و تبلیغ کے عمل کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں دن رات ایک کیا اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچے، وہاں انہوں نے فیصل آباد میں ایک معیاری دینی درسگاہ بھی قائم کی جو پیپلز کالونی میں ''دارالعلوم فیصل آباد'' کے نام سے دینی تعلیم کے لیے مصروفِ کار ہے اور حضرت مفتی صاحبؒ کے صدقاتِ جاریہ میں سے ہے۔

گوجرانوالہ کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ تبلیغی جماعت کے بزرگ راہنماؤں میں سے تھے۔ انہوں نے بیک وقت دو محاذ سنبھال رکھے تھے کہ وہ تبلیغی جماعت کے بڑوں میں بھی شمار ہوتے تھے اور جمعیت علمائے اسلام کی مرکزی قیادت کا حصہ بھی تھے۔ ان کا حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ مجھے طویل عرصے تک مولانا مفتی عبدالواحدؒ کی خدمت و نیابت کا شرف حاصل رہا ہے اور اب میں انہی کی جگہ پر خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ کو پہلی بار مولانا مفتی عبدالواحدؒ کے ہاں

دیکھا تھا۔

مولانا مفتی زین العابدینؒ کا صدقہ جاریہ ان کی اولاد بھی ہے جو انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی و تعلیمی اور تبلیغی و دعوتی خدمات میں مصروف ہے۔ ان کے داماد مولانا مفتی محمد ضیاء الحق مرکزی جامع مسجد فیصل آباد کا محاذ سنبھالے ہوئے ہیں، جبکہ فرزندانِ گرامی دارالعلوم کی خدمات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ گزشتہ ہفتے فیصل آباد میں سرگودھا روڈ پر واقع نواز ٹاؤن کی ایک دینی درسگاہ جامعہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی ایک تقریب میں شرکت کا موقع ملا تو وہاں مولانا مفتی ضیاء الحق اور مولانا محمد یوسف ثالث سے ملاقات ہوئی۔ اس موقع پر یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اس درسگاہ کے منتظم مولانا حفظ الرحمان بنوری ہیں جو مولانا مفتی ضیاء الحق کے داماد ہیں اور ان کی اہلیہ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ کی نواسی ہیں۔ دینی خدمات کا سلسلہ ان کی زندگی میں ہی تیسری پشت تک وسیع ہونے کی یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کی نشانیوں میں سے ہے۔

مفتی صاحبؒ یقیناً آج کے دور کے آدمی نہیں تھے، جس دور سے ان کا تعلق تھا اس کی چند ہی نشانیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ورنہ زمانہ تبدیل ہو چکا ہے، اقدار بدل گئی ہیں، روایات نے پلٹا کھا لیا ہے، ماحول نے اجنبیت اختیار کر لی ہے، اور شرافت و وضعداری کا دور بھی لد گیا ہے کہ اب ان کی جگہ تصنع، بناوٹ اور تکلفات نے لے لی ہے۔ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ کی وفات نے اس تبدیلی کے احساس کو اور زیادہ گہرا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول کرتے ہوئے سیئات سے درگزر فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، اور ہم خوشہ چینوں کو ان کی حسنات و روایات کا تسلسل جاری رکھنے کی توفیق دیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۲۷ مئی ۲۰۰۴ء)

حضرت حاجی عبدالوہابؒ

حضرت حاجی عبدالوہابؒ کی وفات کا صدمہ دنیا بھر میں محسوس کیا گیا اور اصحابِ خیر و برکت میں سے ایک اور بزرگ ہم سے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حاجی صاحب محترم دعوت و تبلیغ کی محنت کے سینئر ترین بزرگ تھے جنہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ جیسے بزرگوں کی معیت و رفاقت کی سعادت حاصل کی اور زندگی بھر اسی کام میں مصروف رہے۔

فنافی التبلیغ بزرگ

وہ حقیقی معنوں میں فنافی التبلیغ تھے اور دعوت و تبلیغ کے تقاضوں، نزاکتوں اور اتار چڑھاؤ کو نہ صرف بخوبی سمجھتے تھے بلکہ کئی مشکل مراحل میں ان کی راہنمائی اور دعائیں مشکلات کے حل میں بروقت کام آ جاتی تھیں۔ دین یا دنیا کا کوئی کام اس قدر وسعت اور قبولیت حاصل کرلے تو اسی حساب سے مشکلات اور الجھنوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے جو کہ فطری بات ہے، البتہ حضرت حاجی صاحبؒ کی موجودگی ہمارے جیسے کارکنوں کے لیے اطمینان کا باعث ہوتی تھی کہ بات ایک حد سے آگے نہیں بڑھ پائے گی۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک بار حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے پوچھا تھا کہ امت میں رونما ہونے والے اجتماعی فتنوں کے بارے میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو تو ہمیں بھی بتاؤ۔ حضرت حذیفہؓ نے بے ساختہ جواب دیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ایسے کسی فتنہ کا ہمیں ڈر نہیں ہے۔ مجھے آج کے حالات کے تناظر میں حضرت عمرؓ کے خلوص و دبدبہ کے اس پہلو کی ایک جھلک حضرت حاجی عبدالوہابؒ میں دکھائی دیتی تھی، اس لیے جب حاجی صاحبؒ کی وفات کی خبر سنی تو جو دعائیں زبان پر جاری ہوئیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ بڑوں کے فوت ہو جانے پر جماعتوں، حلقوں اور اداروں میں جو مسائل کھڑے ہو جایا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دعوت و تبلیغ کے اس عالمگیر عمل و محنت کو ان سے محفوظ

رکھیں، آمین یارب العالمین۔

حاجی صاحبؒ کی شفقتیں اور دعائیں

میری ایک عرصہ سے حاجی صاحبؒ سے نیاز مندی تھی اور ہمیشہ ان کی شفقتوں اور دعاؤں سے مستفید ہوتا تھا، اس کی ایک وجہ تو والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے ساتھ ان کی عقیدت و محبت تھی جس کا مختلف مواقع پر عملی اظہار میں نے دیکھا ہے، ان کی وجہ سے مجھے بھی محبت سے نوازتے تھے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ہمارے مخدوم حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ کا شمار بھی جماعت کے بزرگوں میں ہوتا تھا اور مجھے ایک عشرہ سے زیادہ عرصہ تک مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں ان کی خدمت کا شرف حاصل رہا ہے۔ وہ حاجی صاحب محترم کے ساتھیوں اور دوستوں میں سے تھے اور ان کے درمیان تعلق و محبت کے کئی مراحل کا میں شاہد ہوں۔

میرا ایک عرصہ سے تبلیغی جماعت کے ساتھ سال کے دوران ایک سہ روزہ لگانے کا معمول ہے اور یاد پڑتا ہے کہ شاید پہلا سہ روزہ میں نے ۱۹۶۳ء کے دوران گکھڑ کے قریب گاؤں کوٹ نورا میں لگایا تھا۔ ایک مرتبہ سہ روزہ کی تشکیل کے لیے رائے ونڈ حاضری ہوئی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ملاقات پر بے حد خوشی کا اظہار فرمایا اور جماعتی ساتھیوں سے کہا کہ اسے سہ روزہ کے لیے مرکز میں رکھو، چنانچہ میں نے وہ دو تین روز مرکز میں ہی گزارے۔ کچھ عرصہ قبل گوجرانوالہ کے تبلیغی مرکز کی مسجد کے سنگ بنیاد کے لیے تشریف لائے تو میں بھی حاضر تھا، بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے نوازا۔ حاجی صاحب محترمؒ خود تو دعوت و تبلیغ ہی کے لیے وقف تھے اور ان کا ایک ایک لمحہ اسی کے لیے گزرتا تھا مگر ملک کی عمومی دینی صورتحال پر ان کی گہری نظر ہوتی تھی، وہ حالات کے اتار چڑھاؤ اور دینی جدوجہد کی ضروریات سے آگاہ رہتے تھے اور مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ دینی مدارس کی حوصلہ افزائی اور علماء کرام کی قدردانی کا خاص ذوق رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً اس سلسلہ میں ساتھیوں کو ہدایات دیتے رہتے تھے۔

ایک عجیب اتفاق

یہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور حکمت کا ایک پہلو ہے کہ جس روز رائے ونڈ میں حضرت حاجی عبد

الوہابؒ کے جنازہ اور تدفین کی تیاری ہو رہی تھی اسی روز ہمارے ایک ساتھی مولانا عبدالوہاب کا واہنڈو میں نکاح تھا۔ ان کے والد محترم بتاتے ہیں کہ وہ اپنی شادی سے قبل ہی تبلیغ سے وابستہ ہو گئے تھے جس کی برکت سے نہ صرف ان کا خاندان بلکہ رشتہ داروں کا پورا ماحول دینی اعمال کے دائرہ میں آگیا۔ انہوں نے اپنے ایک بیٹے کا نام حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ کے نام پر اور دوسرے بیٹے کا نام حاجی عبد الوہابؒ کے نام پر رکھا، جبکہ آٹھ بیٹوں کو دین کی تعلیم دلائی۔ مولوی عبد الوہاب جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے فاضل اور الشریعہ اکادمی میں درسِ نظامی کے استاذ ہیں، ان کا نکاح واہنڈو میں والد گرامیؒ کے ایک مرید خاص بھائی سردار صاحب کی بیٹی سے ہوا اور برادر عزیز مولانا عبد الحق خان بشیر نے نکاح پڑھایا۔ میں آج اس عجیب اتفاق کے بارے میں سوچ رہا ہوں کہ حضرت حاجی عبد الوہابؒ تورات ہم سے رخصت ہو گئے مگر ان کے نام پر جس بچے کا نام رکھا گیا اور انہی کی دعوت و تلقین کے باعث جسے عالمِ دین بنایا گیا وہ عبد الوہاب آج نئی زندگی کا آغاز کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں اور دعوت و تبلیغ کی عالمی محنت کو ان کے خلوص اور راہنمائی کے دائرے میں مسلسل ترقیات و ثمرات عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۲۱ نومبر ۲۰۱۸ء)

مولانا طارق جمیل اور ان کا مدرسۃ الحسنین

مولانا طارق جمیل کو گزشتہ روز ایک نئے روپ میں دیکھا تو ان کے لیے دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس مشن اور پروگرام میں کامیابی اور ثمرات سے بہرہ ور فرمائیں، آمین یارب العالمین۔ مولانا موصوف کا تعلق تلمبہ خانیوال کے ایک کھاتے پیتے زمیندار گھرانے سے ہے۔ تبلیغی جماعت سے تعلق قائم ہوا تو اس میں اس رفتار سے آگے بڑھے کہ اسی کے ہو کر رہ گئے۔ مولانا دعوت و تبلیغ کے عمل سے وابستہ ہوئے تو تنہا تھے کہ خاندان میں کوئی اس کارِ خیر پر شاباش دینے والا نہیں تھا لیکن یہ ان کی استقامت اور جہدِ مسلسل کا ثمر ہے کہ اب پورا خاندان بلکہ پورا علاقہ اس نیک عمل میں ان کا دست و بازو ہے۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کے روایتی کام پر قناعت نہیں کی بلکہ تعلیم و تدریس سے بھی وابستگی اختیار کی۔ دنیاوی تعلیم تو تھی ہی، دینی مدارس میں باقاعدہ رہ کر درسِ نظامی کی تعلیم بھی حاصل کی اور اس میں ذوق و شوق کی اس انتہا کو پہنچے کہ اب دینی تعلیم کے حوالے سے ایک نئے تجربے کو روبہ عمل لانے کے لیے بارش کے پہلے قطرے کے طور پر میدان میں کود پڑے ہیں۔

ایک مقبول عام اور عالمگیر مبلغ

مولانا طارق جمیل کا عمومی تعارف ایک مبلغ اور داعی کی حیثیت سے ہے اور یہ تعارف ملکی نہیں بلکہ عالمگیر سطح پر ہے۔ تبلیغی جماعت کے بڑے بڑے اجتماعات میں ان کا خطاب انتہائی شوق اور توجہ کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اگرچہ تبلیغی جماعت کے نظم کے مطابق کسی اجتماع میں کسی خاص مقرر یا خطیب کو موقع دینے کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا بلکہ اسے نظم کے تقاضوں کے منافی سمجھا جاتا ہے لیکن سامعین کی بے پناہ خواہش کا بعض اوقات تبلیغی اکابر کو بھی لحاظ رکھنا پڑ جاتا ہے اور اس کا مظاہرہ عام طور پر مولانا طارق جمیل کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گفتگو کے فن سے نوازا ہے، رلانے اور ہنسانے کی خوب صلاحیت رکھتے ہیں، مطالعہ کا دائرہ خاصا وسیع ہے، خاص طور پر علماء کے کسی اجتماع

میں خصوصی خطاب کے دوران واقعات، روایات، اور اشعار کا تسلسل قائم کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے ان کی زندگی درس و تدریس میں ہی گزری ہے۔ دعوت و تبلیغ کی محنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اور علماء و عوام کو اس کے لیے تیار کرنے کے لیے جب وہ جوشِ خطابت کی اس انتہا کو چھوتے ہیں کہ دینی محنت کے دیگر شعبوں کی اہمیت و ضرورت سامعین کے ذہنوں میں دھندلانے لگ جاتی ہے تو ان کی بعض باتوں سے میرے جیسے خاموش سامعین کو بھی الجھن ہونے لگتی ہے۔ لیکن اپنے مشن اور ہدف کے ساتھ ان کا خلوص اور اس کے ساتھ ان کا زورِ بیان ایسی الجھنوں کو دبانے میں اکثر کامیاب ہو جایا کرتا ہے۔

مدرسۃ الحسنین

لیکن میں اس تحریر میں ان کا ذکر ایک مختلف حوالے سے کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے فیصل آباد میں ملت روڈ پر مدرسۃ الحسنینؓ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کر رکھی ہے جس کے بارے میں سالہا سال سے سننے میں آرہا ہے کہ انہوں نے درسِ نظامی کے مروجہ نصاب و نظام سے ہٹ کر دینی علوم کی تعلیم کے لیے ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے جس میں عصر حاضر کے بعض ضروری تقاضوں کو سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ درسِ نظامی کے نصاب و نظام میں عصرِ نو کی ضروریات کے حوالے سے بعض تبدیلیوں کا میں بھی خواہش مند ہوں اور ایک عرصہ سے اس کا تحریر و تقریر کے ذریعے مسلسل اظہار کر رہا ہوں۔ میری یہ کوشش چلی آرہی ہے کہ درسِ نظامی کے مروجہ اور روایتی نظام و نصاب کے بنیادی ڈھانچے کو ڈسٹرب کیے بغیر اس سے ہٹ کر نئے تقاضوں کے لیے الگ تجربات کیے جائیں۔ ان مختلف تجربات میں سے جو تجربہ کامیاب ہو جائے گا وہ بتدریج خود بخود روایتی نظام کی جگہ لے لے گا۔ ہم خود بھی الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے نام سے ایک چھوٹے سے تجربے سے گزر رہے ہیں اور اسی مناسبت سے مولانا طارق جمیل کے مدرسہ کو دیکھنے کی خواہش تھی۔

مدرسۃ الحسنین کو دیکھنے کا موقع اس طرح ملا کہ خود مولانا طارق جمیل کی طرف سے اس مدرسہ کے سالانہ امتحان کے موقع پر حاضری کی دعوت موصول ہوئی۔ ہمارے دینی مدارس میں عام طور پر سالانہ امتحانات رجب اور شعبان کے دوران ہوتے ہیں اور موسم گرما میں سالانہ تعطیلات کا ہمارے ہاں رواج نہیں ہے۔ مگر مدرسۃ الحسنین فیصل آباد نے اس نئے تجربے کا آغاز کیا ہے کہ سالانہ تعطیلات

شعبان اور رمضان کی بجائے موسم گرما میں وسطِ جون سے آخرِ اگست تک کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور ان تعطیلات سے قبل سالانہ امتحان سے فارغ ہو کر اگست کے آخر میں نیا تعلیمی سال شروع کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس کے مطابق اب شعبان اور رمضان میں باقاعدہ تعلیم ہوا کرے گی اور سالانہ امتحان اور تعطیلات موسم گرما میں ہوں گے۔

درسی کتاب پر مقصود فن کی ترجیح

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک موقع پر دینی مدارس کے نصاب پر تبصرہ کرتے ہوئے دیگر باتوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی فرمائی تھی کہ ہمارے ہاں کتاب پڑھائی جاتی ہے اور کتاب کے مندرجات کے حوالے سے ہی استاذ طلبہ سے ساری گفتگو کرتا ہے، اس سے طالب علم اپنی بساط کے مطابق کتاب تو سمجھ لیتا ہے مگر فن کے ساتھ اس کی واقفیت ادھوری رہ جاتی ہے اور وہ فن سے کماحقہٗ وابستگی سے محروم رہتا ہے۔ جبکہ مولانا آزادؒ کے نزدیک اصل ضرورت فن کے ساتھ مناسبت قائم کرنے کی ہے جس میں کتاب کو ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ معلوم نہیں کہ مولانا طارق جمیل نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کا یہ خطبہ پڑھا ہے یا نہیں لیکن انہوں نے اپنے مذکورہ مدرسہ کے لیے نصاب تعلیم کو جس انداز سے مرتب کیا ہے اس کے پیچھے یہی فکر کارفرما دکھائی دیتی ہے کہ طالب علم کو کتاب کی بجائے فن سے واقف کرایا جائے اور کتاب کو بطور ذریعہ کام میں لاتے ہوئے طالب علم کو فنی مہارت سے بہرہ ور کرنے کی کوشش کی جائے۔

تحریر و تقریر کے نقطۂ نظر سے عربی زبان کی تدریس

اس کے ساتھ مولانا کی دوسری کوشش یہ دکھائی دیتی ہے کہ عربی زبان کے ساتھ طالب علم کی مناسبت کو بڑھانے کے لیے اس قدر محنت کی جائے کہ وہ تحریر و تقریر میں عربی کو بے تکلفی کے ساتھ اظہارِ خیال کا ذریعہ بنا سکے۔ چنانچہ ان کا نصاب اس طرح سے ہے کہ

1. پہلے سال طالب علم کو عربی زبان کے لیے ایک کتاب پڑھا کر لکھنے اور بولنے کی مشق کرائی جاتی ہے،
2. دوسرے سال علمِ صَرف پڑھایا جاتا ہے، اس طور پر کہ استاذ صَرف کی مختلف کتابوں کو سامنے رکھ کر ان سب کا خلاصہ اور نچوڑ اپنے انداز سے طلبہ کو ذہن نشین کراتا ہے اور اس کی تمرین

اور مشق پر خاص توجہ دی جاتی ہے،

3. تیسرے سال اسی ترتیب سے علمِ نحو پڑھایا جاتا ہے،
4. چوتھے سال اصولِ فقہ کی تعلیم ہوتی ہے،
5. اور پانچویں سال کے لیے فقہ کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اس کے بعد حدیثِ نبویؐ کی باری آئے گی۔ چونکہ مدرسہ میں ابھی پانچویں سال تک ہی کلاسیں پہنچی ہیں اس لیے اس سے آگے کے مراحل پوری طرح واضح نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کی دینی، اخلاقی، اور فکری تربیت کا خاص اہتمام ہوتا ہے جس میں تبلیغی جماعت کا ذوق اور اسلوب نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت مختلف کلاسوں میں طلبہ کی مجموعی تعداد سوا دو سو ہے جو سب مدرسہ کے ہاسٹل میں قیام پذیر ہیں۔

۱۸ جون کو مولانا محمد نواز بلوچ مہتمم ریحان المدارس گوجرانوالہ، مولانا محمد یوسف ناظم الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، اور مولانا محمد یوسف میواتی مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن میترانوالی ضلع سیالکوٹ کے ہمراہ مدرسۃ الحسنین میں حاضر ہوا۔ اول الذکر دونوں دوست صرف و نحو اور عربی گرامر کے اچھے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مدرسۃ الحسنین کے سالانہ امتحانات میں ہر کلاس کے لیے تحریری اور تقریری دونوں امتحانوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تحریری امتحان ہمارے جانے سے قبل ہو چکا تھا جبکہ ہمارے ذمہ یہ تھا کہ بعض کلاسوں کا تقریری امتحان لیں۔ چنانچہ ہم تینوں نے ایک ایک کلاس کا امتحان لیا۔ اور تحریری امتحانات کی بعض کلاسوں کے حل شدہ پرچوں پر نظر ڈالی تو ہم فی الواقع بہت متاثر ہوئے کہ ایک نیا تجربہ ہونے کے باوجود استعداد کے لحاظ سے طلبہ کی اکثریت امتیازی حیثیت کی حامل تھی۔ جس سے مولانا طارق جمیل کے ذوق و اسلوب، ان کے رفقاء کی ٹیم کی محنت، اور خاص طور پر دو عرب اساتذہ کی لگن کا اندازہ ہوتا ہے جنہوں نے مولانا موصوف کے سوچے ہوئے اس خاکے میں اپنی محنت اور جہد مسلسل سے رنگ بھر دیا ہے۔

مولانا طارق جمیل سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات ہوئی اس لیے کہ وہ اپنڈکس کے آپریشن کی وجہ سے صاحبِ فراش تھے۔ عیادت کے علاوہ ان سے ان کے تعلیمی پروگرام پر گفتگو ہوئی۔ ان کے عزائم و اہداف معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ دینی تعلیم کے نصاب و نظام کے حوالے سے نئی جہتوں اور

ضروریات کے جو خواب ہم مدت سے دیکھا کرتے تھے ان کی تعبیر آہستہ آہستہ سامنے آنے لگی ہے۔ اس میدان میں ملک کے مختلف حصوں میں جو مختلف النوع تجربات ہو رہے ہیں ان میں سے اکثر میری نظر میں ہیں، خود ہم بھی اسی تجربہ سے گزر رہے ہیں، مجھے یہ کہنے میں کوئی حجاب نہیں ہے کہ ان میں سے مدرسۃ الحسنین کا تجربہ مجھے زیادہ تیزی کے ساتھ اپنے اہداف کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔ سنجیدگی کے لحاظ سے، وسائل واسباب کے دوسروں کے بہ نسبت زیادہ امکانات کے حوالے سے۔ اور مولانا موصوف کے رفقاء کے ٹیم ورک اور ذوق و محنت کی وجہ سے بھی مجھے اس میں پیش رفت کے مواقع زیادہ نظر آرہے ہیں، خدا کرے کہ ایسا ہی ہو، آمین ثم آمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور- ۲۳ جون ۲۰۰۳ء)

مولانا طارق جمیل کا اندازِ دعوت و تبلیغ

مولانا طارق جمیل کو نائن زیرو میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں آج صبح نیویارک کے علاقہ لانگ آئی لینڈ میں مولانا عبدالرزاق عزیز کے ہاں تھا، وہ ایک عرصہ کراچی میں رہے ہیں، شیر شاہ کی جامع مسجد طور میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں اور جمعیت علماء اسلام کے سرگرم راہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ناشتے کے بعد برونکس روانگی سے قبل انہوں نے مجھے کہا کہ جانے سے قبل ایک نظر خبروں پر ڈال لیتے ہیں۔ خبروں میں دیکھا کہ مولانا طارق جمیل ایم کیو ایم کے مرکز نائن زیرو پہنچے ہوئے ہیں اور کراچی والوں کو محبت کا پیغام دے رہے ہیں۔ دو روز قبل رائے ونڈ کے تبلیغی مرکز کے بارے میں وزیر داخلہ عبدالرحمان ملک کا بیان پڑھ کر جو کوفت ہوئی تھی وہ یکدم دور ہوگئی اور تبلیغی جماعت کے تربیت یافتہ عالمی خطیب کو اس روپ میں دیکھ کر صوفیاء کرام کی اس جدوجہد کا منظر نگاہوں کے سامنے گھوم گیا جو محبت کی شمع ہاتھوں میں لیے اس خطے میں آئے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کو پیار کی نظر سے گھائل کرتے چلے گئے تھے۔

جنوبی ایشیا میں صوفیاء کرامؒ کی محنت

جنوبی ایشیا کے اس وسیع خطے میں مجاہدین بھی آئے تھے، علماء کرام بھی آئے تھے اور عرب تاجروں نے بھی اس خطے میں اسلام کی دعوت پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اپنے اپنے انداز میں ان سب کی خدمات کا ایک متنوع اور وسیع دائرہ ہے اور اسلام کی دعوت و تعارف میں ان میں سے کسی کے کردار کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس خطے کے کروڑوں لوگوں کو مسلمان کرنے میں جو حصہ صوفیاء کرام کا ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے طبقے کے حصے میں آیا ہو۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ خالصتاً محبت کے لہجے میں، خیر خواہی کے جذبے سے، جھگڑے کھڑے کیے بغیر بلکہ جھگڑوں کو نظر انداز کرتے ہوئے، اور ہمدردی کے ساتھ اسلام کی دعوت اور عام مسلمانوں کو دین کی طرف واپس لانے کی جو محنت اور جدوجہد تبلیغی

جماعت کر رہی ہے، اس میں حضرات صوفیاء کرام کی اسی سعی مشکور کی جھلک دکھائی دیتی ہے جن کے سرخیل کے طور پر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور حضرت سید علی ہجویریؒ جیسے بزرگوں کا نام لیتے ہوئے ہمارے سر خود بخود عقیدت سے جھک جاتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کا موازنہ تحفظ و دفاع سے

دعوت اور محبت آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ محبت، خیر خواہی اور ہمدردی نہ ہو تو دعوت کا ماحول ہی نہیں بنتا۔ بگڑے ہوئے کو بگڑا ہوا کہہ کر اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو وہ اصلاح کی طرف نہیں آئے گا مزید بگاڑ کی طرف بڑھے گا۔ اس لیے دعوت اور اصلاح دونوں کے لیے پہلی شرط محبت او رخیر خواہی کا اظہار ہے۔

تحفظ اور دفاع کا میدان اس سے مختلف ہے۔ اسلامی عقائد و روایات کے تحفظ کا مرحلہ درپیش ہو یا اسلام اور مسلمانوں پر کفر کی یلغار کا سامنا ہو تو اس محاذ پر ڈٹ جانا بھی ہمارے دینی فرائض میں سے ہے۔ علماء، متکلّمین اور مجاہدین نے ہر دور میں یہ فریضہ ادا کیا ہے اور قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔ لیکن یہ میدان بہر حال دعوت و تبلیغ سے مختلف ہے، اس کے تقاضے مختلف ہیں اور اس کے رجال کار بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اس ناگزیر فرق کو نظر انداز کر کے ہم بسا اوقات بہت سی الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی باہمی شکایات کا پنڈورا باکس کھول کر ایک دوسرے کے لیے مشکلات کھڑی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ میں اس کی ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی بھی قوم اور ملک کے لیے سفار تکار اور ڈپلومیٹ بھی اتنے ہی ضروری ہوتے ہیں جتنا کہ جرنیل اور سپاہی ضروری ہوتے ہیں۔ ایک کا ضروری ہونا دوسرے کے ضروری ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ لیکن دونوں کا مزاج مختلف ہوتا ہے، زبان مختلف ہوتی ہے، دائرہ کار مختلف ہوتا ہے اور تربیت مختلف ہوتی ہے۔ جبکہ ان باتوں کا مختلف ہونا بہر حال ضروری بھی ہوتا ہے۔ جرنیل اگر سفار تکار کا لب و لہجہ اور طرز عمل اختیار کرے گا تو جنگ نہیں لڑ سکے گا، اسی طرح سفیر اپنے فرائض کی ادائیگی میں جرنیل بننے کی کوشش کرے گا تو ملک و قوم کے لیے مشکلات کھڑی کر دے گا۔

میں خود تحفظ و دفاع کی دنیا کا آدمی ہوں اور میری تربیت، ذہنی ساخت اور طرز عمل تینوں اس سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ نصف صدی سے اسی محاذ پر اپنی استطاعت و صلاحیت کے

مطابق سرگرمِ عمل ہوں اور مرتے دم تک اسی میں مصروف رہنے کو اپنے لیے سعادت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ لیکن کسی داعی اور مصلح کے لیے کبھی یہ پسند نہیں کروں گا کہ میری طرح کسی کو مخالف سمجھ کر اس کی کمزوریاں تلاش کرے اور ان کمزوریوں کو اجاگر کر کے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ داعی کا کام یہ ہے کہ کسی بھی مخاطب کو مخالف سمجھ کر اپنی گفتگو کا آغاز نہ کرے بلکہ اسے یہ احساس دلائے کہ وہ اس کا خیر خواہ اور ہمدرد ہے، اس کی تمام تر کمزوریوں سے آنکھیں بند کرتے ہوئے محبت اور پیار کے لہجے میں اسے قریب لانے کی کوشش کرے اور دنیا کے کسی بھی طبقے یا فرد کو اپنی تگ و تاز کے دائرے سے باہر نہ سمجھے۔ دعوت و دفاع کے دائرے الگ الگ ہیں اور ان کے تقاضے اور ضروریات بھی الگ الگ ہیں، دونوں کو گڈمڈ کر دینے سے کوئی کام بھی صحیح طریقے سے نہیں ہو سکے گا۔

ہمارے ایک فاضل اور دانشور بزرگ ڈاکٹر حمید اللہؒ حیدر آباد دکن کی ریاست ختم ہو جانے کے بعد وہاں سے یورپ چلے گئے تھے۔ وہ ہمارے ہی علمی و فکری حلقے کے بزرگ تھے، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ان کی تعلیمی جولانگاہ رہی ہے اور وہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے پیرس کو اپنا مسکن قرار دیا اور دعوت و تبلیغ کو مشغلہ بنا لیا۔ قدیم صوفیاء کرام کی طرح محبت اور خیر خواہی ان کا سب سے بڑا ہتھیار تھے، انہوں نے نصف صدی تک اپنا درویش خانہ آباد رکھا اور جب وہ دنیا سے اٹھے تو ان کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والوں کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ ہم اگر اپنے بنائے ہوئے پیمانوں سے ان کے عمل و کردار کو ماپنا شروع کر دیں تو شاید بہت سے دوستوں کو انہیں راسخ العقیدہ مسلمان قرار دینے میں بھی تامل ہو، لیکن ان کا جو کردار تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے اس میں وہ بلاشبہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور حضرت سید علی ہجویریؒ کی نمائندگی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

قومی سیاست میں علماء کا کردار

میں آج کے حالات کے تناظر اور تقاضوں کے پیشِ نظر قومی سیاست میں علماء کرام کے کردار کو ضروری سمجھتا ہوں، خود اس کا داعی اور اس میں شریک کار رہا ہوں، لیکن حضرت مجدد الفؒ ثانی کے عظیم تاریخی کردار کو ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھوں سے اوجھل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں جنہوں نے اقتدار کی کشمکش میں فریق بنے بغیر، بلکہ بعض روایات کے مطابق اقتدار کی پیشکش کو ٹھکراتے ہوئے اور

سب کو اپنا سمجھتے ہوئے بے غرضی اور سعی مسلسل کے ہتھیاروں کے ساتھ اکبر بادشاہ کے خودساختہ ''دینِ الٰہی'' کو شکست سے دوچار کیا۔ حتیٰ کہ محبت اور پیار کے ساتھ حکمران مغل خاندان میں ایسی ''نقب'' لگائی جس سے نمودار ہوکر خود اکبر بادشاہ کے پڑپوتے محی الدین اورنگزیب عالمگیر نے برصغیر میں اسلام کی سربلندی اور اسلامی شریعت کے عملی نفاذ کا پرچم گاڑ دیا۔ تاریخ کے ایک طالب علم کے طور پر مجھے یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ اگر حضرت مجدد الفؒ ثانی اپنے دور کے حالات اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر حکمت و فراست کا یہ پہلو اختیار نہ کرتے اور بے غرضی اور بے لوثی کی عزیمت کا دامن نہ تھامتے تو ان کی سعی و محنت کے عالمِ اسباب میں یہ ثمرات و نتائج شاید تاریخ کا حصہ نہ بن پاتے۔

مولانا طارق جمیل کی جدوجہد اور اندازِ تبلیغ

مولانا طارق جمیل سے بہت سے دوستوں کو شکایات ہوں گی، بعض امور میں شاید مجھے بھی ہوں، لیکن میں ان کی جدوجہد کی حمایت کرتا ہوں اور اسے دین کا ایک ناگزیر تقاضا سمجھتا ہوں۔ مجھے ان کے طرز خطابت اور انداز گفتگو میں یہ بات سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے کہ وہ کسی کے خلاف بات نہیں کرتے، اپنے مخاطبین کو مخالف سمجھ کر ان سے خطاب نہیں کرتے، وہ دعوت و تبلیغ کے کام میں اپنے اور پرائے کے فرق سے بے پروا ہوجاتے ہیں، مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو زیر بحث نہیں لاتے، اپنی بات سننے والوں کے دماغ سے نہیں بلکہ دل سے بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں، محبت و خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبے میں ڈوب کر گفتگو کرتے ہیں، اور کسی طبقے یا مکتبِ فکر کو اپنے دائرۂ خطاب سے باہر نہیں رہنے دیتے۔

یہ کام شاید میں نہ کرسکوں اور اسلام کے غلبہ، نفاذ، تحفظ اور دفاع کے محاذ کے کسی بھی کارکن کے لیے یہ باتیں اس کی جدوجہد کی مصلحت اور ضرورت سے شاید ہم آہنگ نظر نہ آئیں، لیکن دعوت اور اصلاح کی ضرورت یہی ہے اور اس محاذ کے تقاضے یہی ہیں۔ اسی لیے مولانا طارق جمیل کا نائن زیرو جانا مجھے بہت اچھا لگا ہے، یہ کراچی کی ضرورت بھی ہے، ملک کے امن کی ضرورت بھی ہے اور دعوت و تبلیغ کی ضرورت بھی ہے۔ انہیں سب باتیں بھول کر اور ہر جھگڑے کو پسِ پشت ڈال کر بلاامتیاز ہر سیاسی مرکز میں جانا چاہیے اور اس پیغامِ محبت کو عام کرنا چاہیے۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، حضرت

سید علی ہجویریؒ اور حضرت مجدد الفؒ ثانی کی روایات کی نمائندگی کرنے والا ہمارے دور میں آخر کوئی تو ہو۔

(روزنامہ اسلام، لاہور – ۱۲ اگست ۲۰۱۱ء)

رائے ونڈ اجتماعات میں حاضری

سالانہ اجتماع ۱۹۹۹ء

رائے ونڈ کے سالانہ عالمی تبلیغی اجتماع میں کچھ دیر کے لیے شرکت کا موقع ملا۔ ایک عرصہ سے یہ معمول سا بن گیا ہے کہ اجتماع کے موقع پر درمیان کے روز تھوڑی دیر کے لیے رائے ونڈ جاتا ہوں، ایک آدھ بیان سنتا ہوں، دو تین نمازیں ادا کرتا ہوں اور کچھ دوستوں سے ملاقات کے بعد واپس آجاتا ہوں۔ ذریعۂ سفر چونکہ پبلک ٹرانسپورٹ ہوتی ہے اس لیے آخری روز دعا کے بعد بے پناہ رش میں پھنسنے کا حوصلہ نہیں ہوتا، اسی وجہ سے درمیان کے دن حاضری دے کر شرکاء میں نام لکھوالیتا ہوں۔

تبلیغی جماعت کا فطری انداز

تبلیغی جماعت اسلام کی عمومی دعوت اور مسلمانوں کو اسلامی اعمال پر واپس لانے کی جدوجہد کی علمبردار ہے۔ اس کا آغاز پون صدی قبل حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے کیا تھا اور ان کے خلوص کے ساتھ ساتھ سادہ طریق کار اور بے تکلف انداز کی برکت ہے کہ اس وقت یہ دنیا بھر میں اسلام کے بنیادی اعمال مثلاً نماز و روزہ وغیرہ اور مسجد کی زندگی کی طرف مسلمانوں کو واپس لانے کی سب سے منظم اور وسیع عوامی تحریک ہے، جو اقتدار کی کشمکش اور سیاست کے جھمیلوں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے خاموشی اور تسلسل کے ساتھ اپنے کام میں مگن ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں میں تبلیغی جماعت کے بڑے بڑے اجتماعات اور کم و بیش دنیا کے ہر حصہ میں تبلیغی جماعت کی عمومی نقل و حرکت دیکھ کر بہت سے حضرات کو یہ شکایت بھی ہوتی ہے کہ اس قدر وسیع عوامی رابطہ رکھنے کے باوجود تبلیغی جماعت مسلمانوں کے اجتماعی معاملات اور ملی مسائل میں دلچسپی نہیں لیتی اور قومی مشکلات و مصائب کو اپنے ایجنڈے میں شامل نہیں کرتی۔

جماعت کے دو بنیادی کام

چند برس پہلے کی بات ہے برطانیہ کے شہر ٹنگھم میں اس حوالہ سے ایک مذاکرہ ہوا اور ایک عالمِ دین نے تبلیغی جماعت کے طریق کار پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ تبلیغی جماعت کے مبلغین نہ جہاد کی بات کرتے ہیں اور نہ ہی اسلام دشمن قوتوں اور لابیوں کے خلاف زبان کھولتے ہیں بلکہ اپنے دائرہ کار میں شامل ہونے والوں کو ابتدائی چھ نکات ہی کے دائرہ میں محصور رکھتے ہیں۔ اس پر راقم الحروف نے عرض کیا کہ ہم اگر تبلیغی جماعت کے کام کی نوعیت کو سمجھ لیں تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کیونکہ میرے نزدیک تبلیغی جماعت اس وقت دو بنیادی کام کر رہی ہے:

1. ایک یہ کہ وہ عام مسلمان جس کا مسجد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اسے ترغیب دے کر اور سمجھا بجھا کر تبلیغی بھائی کسی نہ کسی طرح مسجد میں لے آتے ہیں۔
2. دوسرا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ جس مسلمان کا مولوی کے ساتھ سرے سے کوئی جوڑ نہیں ہے اور وہ کسی عالمِ دین کے قریب ہونے سے گھبراتا ہے، اسے علماء کے احترام کا سبق دے کر اور یہ کہہ کر علماء کے سامنے لا بٹھاتے ہیں کہ دین کی بات تو علماء سے ہی پوچھنی چاہیے۔ اب اس سے اگلا کام علماء کا ہے کہ جس مسلمان کو تبلیغی بھائیوں نے مسجد کا راستہ دکھا دیا ہے اور مسجد کے اندر لا کر نماز کی صف میں علماء کے پیچھے کھڑا کر دیا ہے وہ اسے سنبھالیں اور اس کی دینی تعلیم و تربیت اور دین کے کسی شعبہ میں اسے فٹ کرنے کا اہتمام کریں۔ یہ ذمہ داری علماء کرام اور مسجد کے نظام کے ذمہ دار حضرات کی ہے، اور اگر ہم یہ کام بھی تبلیغی جماعت ہی کے ذمہ لگانا چاہیں تو یہ اپنی ذمہ داریوں سے فرار اور تبلیغی جماعت اور عام مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

دینی شعبوں کی ''ریکروٹنگ ایجنسی''

میں تبلیغی جماعت کو مسجد و مدرسہ اور دین کے دیگر شعبوں کی ''ریکروٹنگ ایجنسی'' کہا کرتا ہوں جو عام مسلمانوں کے گھروں میں جا کر اور ایک ایک دروازے پر دستک دے کر انہیں دین کے کام کے لیے بھرتی کرتی ہے اور گھیر گھار کر مسجد میں لے آتی ہے۔ اس کے بعد دین کے مختلف شعبوں کے ذمہ

دار حضرات کا کام ہے کہ وہ انہیں سنبھالیں اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کر کے انہیں دینی محنت کے کسی نہ کسی کام میں کھپائیں۔ میرے خیال میں عملاً یہی ہو رہا ہے اور نمازیوں، دینی مدرسہ کے طلبہ، اور مذہبی جماعتوں کے کارکنوں میں ایک بڑی تعداد آپ کو ایسے لوگوں کی نظر آئے گی جو تبلیغی جماعت ہی کی محنت سے اس مقام تک پہنچے ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک تبلیغی جماعت کو کام کی ''محدودیت'' کا الزام دینا اور ان پر ان کے دائرہ کار سے باہر کے کاموں کی ذمہ داری ڈالنا درست بات نہیں ہے اور تقسیمِ کار کے فطری اصول کے بھی منافی ہے۔

حضرت مولانا جمشید صاحب کا بیان

خیر بات رائے ونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماع کی ہو رہی تھی۔ راقم الحروف جب پنڈال میں داخل ہوا تو گوجرانوالہ کے اپنے محلہ ہی کے کچھ نوجوان مل گئے جو اپنے ٹھکانے پر لے گئے۔

ریل گاڑی کی مثال

وہاں جا کر بیٹھا تو حضرت مولانا جمشید صاحب اپنے مخصوص انداز میں دنیا بھر سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمانوں سے مخاطب تھے اور یہ نکتہ سمجھا رہے تھے کہ انسانی زندگی کی گاڑی اپنے صحیح رخ پر اسی وقت چلے گی جب اسے کائنات کے خالق و مالک اور خود انسان کو تخلیق کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی مرضی اور احکام کے مطابق چلایا جائے گا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں مثال دی کہ ریل کا انجن بہت طاقتور ہے اور بہت سے ڈبوں کو کھینچ کر دوڑتا ہے لیکن وہ اتنا وزن لے کر اسی وقت دوڑے گا جب وہ اس پٹڑی پر چلے گا جو اس کے لیے بچھائی گئی ہے۔ اور اگر اسے اس پٹڑی سے ہٹ کر چلانے کی کوشش کی جائے گی تو وہ اپنا کام سرانجام نہیں دے سکے گا۔ اسی طرح انسانی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خطوط پر اسی کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق چلے گی تو کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کو پہنچے گی اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہدایات کی پٹڑی سے اتار کر اسے چلایا جائے گا تو فساد اور خرابی کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا زبیر الحسن کا بیان

مولانا جمشید صاحب کا بیان عصر تک جاری رہا، عصر کے بعد نکاح کی محفل تھی۔ رائے ونڈ کے اجتماع

میں دنیا بھر سے نیک لوگوں اور مبلغین کی آمد کو غنیمت اور باعثِ برکت سمجھتے ہوئے بہت سے لوگ نکاح اس موقع پر رکھ لیتے ہیں اور دعا سے ایک روز پہلے عصر کے بعد اجتماعی خطبہ نکاح پڑھ کر ان جوڑوں میں ایجاب وقبول کرادیا جاتا ہے۔

خواہشات پوری کرنے کی اصل جگہ

اس سال نکاح کا خطبہ حضرت مولانا زبیر الحسن نے پڑھا اور اس سے قبل مختصر خطاب بھی کیا جس میں انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ یہ دنیا خواہشات پوری کرنے کی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی کی ہر خواہش یہاں کبھی پوری ہوئی ہے۔ یہ دنیا ضروریات پوری کرنے کی حد تک ہے اور خواہشات کی تکمیل اگلے جہان میں ہوگی۔ اگر ہم دنیا کی زندگی میں اپنی ضروریات پر قناعت کریں اور اگلے جہان میں جنت کے حصول کے لیے اپنی زندگی کی ترتیب بنالیں تو یہ دنیا بھی پرسکون رہے گی اور آنے والی زندگی میں خواہشات پوری کرنے کے لیے جنت بھی مل جائے گی۔

شادی بیاہ میں سادگی کی برکت

انہوں نے کہا کہ شادی سنت ہے اور اسے جس قدر آسان اور سادہ رکھا جائے گا اتنی ہی بابرکت ہوگی۔ مگر ہم نے تکلفات اور بلاضرورت اخراجات کے ساتھ اسے اپنے اوپر بوجھ بنالیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے اپنی زندگی کو سادہ بنائیں اور آخرت کی تیاری کریں۔

مولانا زبیر الحسن کے خطبہ کے بعد مختلف حلقوں میں پہلے سے طے شدہ ترتیب کے مطابق سینکڑوں جوڑوں میں ایجاب وقبول ہوا، اس کے بعد مولانا موصوف کی پُرسوز دعا پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد-۱۷ نومبر ۱۹۹۹ء)

سالانہ اجتماع ۲۰۰۴ء

اجتماع کا ماحول اور سرگرمیاں

تبلیغی جماعت کا سالانہ عالمی اجتماع ۱۸ نومبر جمعرات سے رائے ونڈ میں شروع ہو گیا ہے۔ پروگرام کے مطابق جمعرات کو شام کے بعد اجتماع کا آغاز ہوا اور اتوار کو صبح دس گیارہ بجے کے لگ بھگ اختتامی دعا کے بعد اجتماع میں تشکیل پانے والی جماعتیں اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔ اس دوران بیانات ہوں گے، وعظ و نصیحت ہوگی، دعوت و تبلیغ کی اہمیت بیان کی جائے گی، لوگوں کو اس عمل کے لیے تیار کیا جائے گا، دنیا کے مختلف حصوں کے لیے ان کی تشکیل کی جائے گی، امت مسلمہ کی بہتری اور فلاح و نجات کے لیے دعائیں ہوں گی، بہت سے حضرات اتنے عظیم اجتماع اور نیک لوگوں کے اکٹھ کی برکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بچوں اور بچیوں کے اس موقع پر نکاح کریں گے، اور دنیا بھر سے آئے ہوئے ہزاروں علماء کرام، مبلغین اور صالحین کی باہمی ملاقاتیں اور رابطے ہوں گے۔ اس اجتماع میں دنیا کے مختلف ممالک سے دعوت و تبلیغ سے تعلق رکھنے والے لاکھوں افراد شریک ہوتے ہیں اور پاکستان کے طول و عرض سے لاکھوں مسلمان قافلوں کی شکل میں شرکت کرتے ہیں۔ رائے ونڈ سے باہر کھلے میدان میں خیموں کی میلوں تک پھیلی ہوئی بستیاں منیٰ کے میدان کا منظر پیش کرتی ہیں اور شرکاء کی اس قدر کثیر تعداد دیکھ کر اسے عام طور پر حج بیت اللہ کے بعد دنیا میں مسلمانوں کا سب سے بڑا سالانہ اجتماع کہہ دیا جاتا ہے۔

بانیٔ جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا دردِ دل

دعوت و تبلیغ کے اس عمل کا آغاز آج سے پون صدی قبل دہلی کے ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔ وہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے تلامذہ میں

سے تھے اور امت کی اصلاح و ترقی کے لیے دل دردمند رکھتے تھے، دین سے عام مسلمانوں کی عملی لاتعلقی اور دینی احکام اور تقاضوں سے ان کی بے خبری پر ان کا دل کڑھتا تھا، اور وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اگر عام مسلمان دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہو جائے اور اس کے احکام پر عمل کرنے لگ جائے تو امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کا علاج آج کے دور میں بھی ممکن ہے۔ اور مسلمانوں کی بہتری، نجات اور ترقی کا راستہ آج بھی صرف یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی طرف واپس پلٹیں اور اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے آگاہی حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اسی صورت میں وہ موجودہ ادبار اور زوال سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور آخرت کی نجات کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اپنا کھویا ہوا مقام بحال کر سکتے ہیں۔ عام مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر ان کا دل کڑھتا تھا کہ بہت سے مسلمان نماز روزہ تو کیا، کلمہ طیبہ سے بھی واقف نہیں ہیں، اس کو صحیح طور پر زبان سے ادا کرنا بھی ان کے بس میں نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود کو اس کام کے لیے وقف کر دیا کہ عام مسلمانوں کو دین کی بنیادی باتوں سے واقف کرانے اور دینی فرائض و واجبات کی ادائیگی کی طرف واپس لانے کی جدوجہد کریں گے۔

تبلیغی جدوجہد کے چار اصول

انہوں نے اس کا آغاز میوات کے علاقے سے کیا، اس کے بنیادی نصاب اور اصولوں کا تعین کیا اور چند مخلص ساتھیوں کے ہمراہ اس راہ پر چل نکلے:

1. انہوں نے ایک اصول یہ طے کیا کہ دین کی بنیادی باتوں کی تعلیم اور پھر اس کی عملی تربیت کاروبار اور گھر کے جھمیلوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے ایک مسلمان کا خود کو چند روز کے لیے فارغ کرنا اور گھر سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ اس کے لیے تین دن سے لے کر ایک سال تک کے مختلف مراحل طے کیے گئے۔
2. دوسرا اصول انہوں نے یہ طے کیا کہ یہ کام چندے سے نہیں ہو گا، بلکہ اس میں شریک ہونے والا ہر شخص اپنے تمام اخراجات خود برداشت کرے گا۔
3. تیسرا اصول ان کے ہاں یہ طے پایا کہ اس راہ میں تمام تر گفتگو اور تگ و دو بنیادی چھ نمبروں تک محدود رہے گی اور ان سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کی جائے گی۔ خاص طور پر فرقہ وارانہ

اور گروہی اختلافات کسی سطح پر موضوع بحث نہیں بنیں گے، اور سیاسی گروہ بندی اور تنازعات سے مکمل طور پر لاتعلقی قائم رکھی جائے گی۔

4. جبکہ کم و بیش ایک صدی کے عرصہ پر محیط اس جدوجہد کا چوتھا اصول یہ سامنے آیا کہ اس محنت کا بنیادی مرکز مسجد ہوگی اور مسجد کو ہی بنیاد بنا کر اس جدوجہد کو آگے بڑھایا جائے گا۔

یہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ اور ان کے مخلص رفقاء کے خلوص اور محنت کا ثمر تھا کہ میوات کے دیہات سے شروع ہونے والی اس جدوجہد کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور آج دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں نظر نہیں آتا جہاں دعوت و تبلیغ کا یہ عمل موجود نہ ہو یا کسی نہ کسی سطح پر اس کے اثرات نہ پائے جاتے ہوں۔ تبلیغی جماعت کی یہ محنت بنیادی طور پر عام مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی محنت ہے اور اس کا اساسی ہدف یہ ہے کہ دنیا بھر کے عام مسلمانوں کو دین کی طرف واپس لایا جائے، انہیں دین کی بنیادی باتوں مثلاً عقائد، فرائض و واجبات، حلال و حرام، معاملات، باہمی حقوق اور اخلاقی تقاضوں سے روشناس کرایا جائے، اور صرف تعلیم اور آگاہی نہیں بلکہ عملی تربیت کا بھی اہتمام کیا جائے۔ جس کے لیے ان پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ وقت نکالیں اور گھر اور کاروبار کے جھمیلوں سے چند روز کے لیے خود کو فارغ کر کے باہر نکلیں، جماعتوں کے ساتھ چلیں اور مشقت اور تکلیف کے ساتھ ساتھ اپنے اخراجات بھی خود برداشت کریں۔

جماعت میں وقت لگانے کے چھ فوائد

1. اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ ذہنی فراغت اور یکسوئی کے ساتھ اپنی دینی حالت کا جائزہ لے سکیں گے اور اپنے دینی نفع و نقصان پر غور کر سکیں گے۔
2. دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس دوران وہ نماز، روزہ اور دیگر ضروری احکام کے مسائل کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کا کچھ حصہ، ضروری دعائیں اور آداب سیکھ لیں گے۔
3. تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مختلف علاقوں میں مسلمانوں سے ملاقاتوں اور دینی امور پر گفتگو کے دوران انہیں عام مسلمانوں کی دینی حالت سے آگاہی حاصل ہوگی اور ان کے دل میں اصلاحِ احوال کے لیے کچھ کرنے کی تڑپ پیدا ہوگی۔
4. چوتھا فائدہ یہ ہوگا کہ مسائل و احکام سیکھنے کے علاوہ ان پر عمل کی مشق ہو جائے گی اور دینی

معمولات کی پابندی کے ساتھ چند روز گزارنے کے بعد گھر اور کاروبار کی مصروفیات کے ساتھ دینی معمولات کو ایڈجسٹ کرنا آسان ہو جائے گا۔

5. پانچواں فائدہ یہ ہو گا کہ کم از کم اتنا عرصہ بہت سے گناہوں اور منکرات سے محفوظ رہیں گے۔
6. چھٹا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ دین کے ساتھ تعلق میں استحکام پیدا ہو گا، عبادات، ذکر و اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دلوں کا زنگ اترے گا اور اللہ تعالیٰ اور ان کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قلبی تعلق میں نکھار آئے گا۔

جماعت کی جدوجہد کے نتائج

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی یہ جدوجہد اور تحریک بلاشبہ ان کا اجتہادی، تجدیدی بلکہ الہامی کارنامہ ہے، جس کی وجہ سے دنیا بھر میں لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں کا رخ بدلا ہے، ہزاروں ویران مساجد آباد ہوئی ہیں، ہزاروں نوجوانوں نے اس جدوجہد سے تربیت حاصل کر کے مزید پیشرفت کی ہے، اور مکمل دینی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر علماء کرام کی صف میں شامل ہوئے ہیں۔ اس نرسری سے تربیت پانے والے ہزاروں نوجوانوں نے میدان جہاد میں قدم رکھا ہے اور اسلام کی سربلندی اور ملتِ اسلامیہ کی آزادی کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں اور ملی زندگی کے دیگر مختلف شعبوں میں تبلیغی جماعت کے ہزاروں تربیت یافتہ افراد اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ دینی روایات اور اعمال کے اَحیا کا ذریعہ بن رہے ہیں، تو ہم اس کے ساتھ یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ جماعت فرشتوں کی نہیں انسانوں کی ہے، جس سے غلطیاں ہو سکتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ خود ہمیں بھی اس کی بعض باتوں سے اختلاف ہوتا ہے، ہم اس اختلاف کا اظہار اس کے ذمہ دار حضرات سے بلا کم و کاست کر دیتے ہیں، لیکن اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ آج کے دور میں عام مسلمانوں کی اصلاح اور انہیں دین کی طرف راغب کر کے دین کے بنیادی اعمال پر لگا دینے کی یہ سب سے بڑی اور مؤثر تحریک ہے اور اس کے عالمگیر اثرات سب کے سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے مشن میں کامیابی اور ترقیات نصیب فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۰ نومبر ۲۰۰۴ء)

رائے ونڈ کا سالانہ عالمی تبلیغی اجتماع ۱۸ نومبر جمعرات کی شام شروع ہوا، جو اتوار کو دوپہر تک جاری رہے گا اور اختتامی دعا کے بعد مختلف علاقوں کے لیے تشکیل دی جانے والی دعوت و تبلیغ کی جماعتیں اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گی۔ یہ اجتماع ہر سال ہوتا ہے اور اس میں دنیا کے مختلف ممالک سے علماء کرام، دینی کارکن اور مبلغین شریک ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حرمین شریفین کے بعد یہ اجتماع عالمِ اسلام کا سب سے بڑا اور نمائندہ سالانہ اجتماع ہوتا ہے اور کم و بیش ہر خطۂ زمین کے مسلمان اس میں شریک ہو کر اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کی جھلک پیش کرتے ہیں۔

اجتماع کے بیانات کا بنیادی نکتہ

اس اجتماع کا بنیادی مقصد اسلام کی دعوت و تبلیغ کو عام کرنا اور مسلمانوں کو ان کے دین کی طرف واپس لانا ہے۔ اس میں ہونے والے بیانات کا بنیادی نکتہ یہی ہوتا ہے کہ عام مسلمان اپنے دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہوں اور ان پر عمل کریں، تاکہ مسلم معاشرے میں وہ دینی ماحول پیدا ہو جو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا باعث ہوتا ہے اور جس کو دیکھ کر ہزاروں غیر مسلم خود بخود مسلمان ہو جایا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے، تاکہ وہ چند روز کے لیے گھر، ملازمت اور کاروبار کے ماحول سے باہر نکل کر خود کو دینی معمولات کا پابند بنائیں۔ فراغت کے ان ایام میں نماز، روزے کے احکام سیکھیں، ذکر و اذکار، تلاوت قرآن کریم اور درود شریف پڑھنے کی عادت ڈالیں، اور عام مسلمانوں سے ملاقاتیں کر کے ان کی دینی حالت کا خود مشاہدہ کریں، تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ عام سطح پر دین کی محنت کو عام کرنے کی کس قدر ضرورت ہے اور وہ اس کے لیے کیا کچھ کر سکتے ہیں؟

غیر مسلموں کو دینِ اسلام کی تبلیغ

دین کی دعوت کے دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ اسلام عالمی مذہب ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک آنے والی تمام نسل انسانی کے لیے ہے اور ہمارے عقیدے کے مطابق پوری دنیائے انسانیت کی فلاح و نجات قرآن کریم کی تعلیمات سے وابستہ ہے۔ اس لیے فطری طور پر ہماری یہ ذمہ داری بن جاتی ہے کہ جس پیغام کو ہم

نسلِ انسانی کی نجات و فلاح کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، اسے اس نسل کے تمام لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کریں اور نسلِ انسانی کے ہر فرد تک قرآن کریم اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پہنچانے کے لیے محنت کریں۔ یہ اسلام کے عالمی مذہب ہونے کے عقیدے کا فطری اور منطقی تقاضہ ہے اور اس کے لیے مزید کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں نیک دل مسلمان تجارت کے لیے مختلف علاقوں میں نکل جاتے تھے اور جہادی گروپوں میں شامل ہو کر مختلف علاقوں میں بس جایا کرتے تھے اور بہت سے غیر مسلم ان کے عمل و کردار کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ صوفیاء کرام میں سے کوئی بزرگ کسی جگہ ڈیرہ لگا لیتے تھے اور ان کے وجود سے روحانیت کا ایسا ماحول بن جاتا تھا جو ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کے مسلمان ہونے کا باعث بن جایا کرتا تھا۔ مگر بدقسمتی سے اب ایسی صورتحال نہیں ہے اور کسی بھی حوالے سے اسلام کی دعوت دنیا کے غیر مسلم انسانوں تک پہنچانے کا کوئی نظم اور پروگرام موجود نہیں ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کے عمّال کو ہدایت کی تھی کہ وہ جس علاقے میں جائیں، غیر مسلموں کو اسلام کا پیغام پہنچائیں اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اس پہلو سے مسلم حکومتوں کی ذمہ داریوں میں یہ بات بھی شامل ہو جاتی ہے کہ وہ غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا اہتمام کریں، لیکن آج کی دنیا میں کوئی ایک مسلم حکومت بھی اسے اپنی ذمہ داریوں میں شامل کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا طرزِ تبلیغ

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام اسبقؒ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کی زندگی میں عیسائی تھے اور حضرت عمرؓ انہیں مسلسل اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہتے تھے، لیکن کبھی سختی نہیں کی، کبھی جبر سے کام نہیں لیا۔ صرف اتنا کہتے تھے کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تمہیں بہت سے ایسے کاموں میں شریک کر سکوں گا، جن میں اب شریک نہیں کر سکتا۔ مگر اسبقؒ نے حضرت عمرؓ کی بار بار ترغیب اور دعوت کے باوجود ان کا ذاتی غلام ہوتے ہوئے بھی ان کی زندگی میں اسلام قبول نہ کیا، البتہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کے اس عمل سے دو سبق ملتے ہیں:

1. ایک یہ کہ اپنے اردگرد کے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا ہماری ذمہ داری ہے۔

2. اور دوسرا یہ کہ اس میں جبر کی کوئی صورت روا نہیں۔ اسلام کی دعوت دینا ہمارا کام ہے اور قبول کرنا یا نہ کرنا مکمل طور پر دوسرے کے اختیار میں ہے۔

مگر اس وقت صورتحال یہ ہے کہ سرکاری سطح پر یا پرائیویٹ سیکٹر میں کوئی ایسا نظم اور اہتمام موجود نہیں، جس کا مقصد دنیا کے غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہو۔ آج کے دور میں ہماری اجتماعی کوتاہیوں میں یہ ایک بڑی کوتاہی ہے۔

مسلمانوں کو دین کے عقائد و اعمال کی تبلیغ

دعوت و تبلیغ کا دوسرا درجہ خود مسلم معاشرے میں مسلمانوں کو دین کے احکام و فرائض کی بجاآوری کی دعوت دینا، حلال و حرام کا فرق کرنے کی تلقین کرنا اور باہمی حقوق و آداب کی طرف توجہ دلانا ہے۔ یہ کام مساجد و مدارس اور دینی مراکز اور جماعتوں میں کسی نہ کسی حد تک ہو رہا ہے اور اس کی سب سے منظم اور مربوط شکل تبلیغی جماعت ہے، جو مسلم معاشرے میں دینی اقدار و روایات کے اَحیا کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اور اس کی محنت کے نتیجے میں دنیا بھر میں لاکھوں مسلمان ایک دوسرے کو دین پر عمل کرنے کی نہ صرف ترغیب دیتے ہیں، بلکہ مل جل کر اس کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

نبی اکرمؐ کی تبلیغِ دین کی ہدایت

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی ہماری ذمہ داریوں میں شامل کیا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان سے قرآن کریم نے بھی اسے اچھے مسلمانوں کے اوصاف میں شمار کیا ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی حقوق میں جن باتوں کا زیادہ اہمیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے، ان میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین کریں اور ایک دوسرے کو برائی سے روکیں۔ ایک روایت کے مطابق جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

> "مسلم سوسائٹی میں خیر اسی وقت تک غالب رہے گی جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذوق باقی رہے گا۔ جب یہ ماحول ختم ہو جائے گا تو مسلم سوسائٹی پر شر کا غلبہ ہو جائے گا۔"

ایک لحاظ سے سوسائٹی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں قوت مدافعت کی ہوتی ہے۔ جسم میں اگر اچھی چیزوں کو قبول کرنے اور نقصان دہ چیزوں کو قبول نہ

کرنے کی صلاحیت موجود ہو تو وہ بہت سی بیماریوں کا دفاع خود بخود کر لیتا ہے اور اس کے لیے اسے کسی اور علاج کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن اگر جسم کی یہ صلاحیت ہی ختم ہو جائے اور وہ اچھی اور بری چیزوں میں فرق کرنے کی فطری صلاحیت سے محروم ہو جائے تو پھر چھوٹی سے چھوٹی بیماری بھی اس پر غلبہ پا لیتی ہے اور اس سے چھٹکارا پانا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

یہی صورتحال انسانی سوسائٹی کی ہے، اگر اس میں شر اور منکر سے نفرت کا جذبہ موجود ہے اور اس کے خلاف آواز اٹھتی رہتی ہے، اسی طرح خیر کو قبول کرنے کا ذوق پایا جاتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی کی قوتِ مدافعت کام کر رہی ہے اور شر کے لیے اس کے اندر تک رسائی حاصل کرنا مشکل ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور خیر کی حوصلہ شکنی اور شر کی حوصلہ افزائی کا ماحول پیدا ہو گیا ہے، تو اس سے اس سوسائٹی پر شر کے غالب آنے کا راستہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔

اس پس منظر میں تبلیغی جماعت کا یہ عمل آج کے دور میں غنیمت ہے کہ خیر اور شر میں فرق کا ذوق اور نیکی و بدی میں امتیاز کی صلاحیت نہ صرف موجود ہے، بلکہ اسے زندہ رکھنے کی مسلسل کوشش بھی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ رائے ونڈ کے اس اجتماع کو اپنے نیک مقاصد میں کامیابی عطا کرے اور اس کار خیر کو پوری دنیا میں اسلام کی دعوت و تبلیغ اور مسلم سوسائٹی میں اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنا دے، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۲۰ نومبر ۲۰۰۴ء)

سالانہ اجتماع ۲۰۰۸ء

رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع کے حوالے سے میرا معمول یہ چلا آرہا ہے کہ اجتماع کے دوسرے روز یعنی ہفتہ کے دن حاضری دیتا ہوں، اس طور پر کہ صبح گوجرانوالہ سے روانہ ہوتا ہوں اور مغرب رائے ونڈ میں پڑھ کر واپسی کرتا ہوں۔ مگر اس سال یہ معمول تبدیل کرنا پڑا اس لیے کہ گوجرانوالہ میں جمعیت علماء اسلام سے قدیمی تعلق رکھنے والے ایک خاندان میں اس روز ایک نوجوان کی شادی تھی اور ان کا اصرار تھا کہ نکاح بہرحال میں ہی پڑھاؤں۔ گرجاکھ گوجرانوالہ میں جمعیت علماء اسلام کے ابتدائی ساتھیوں میں مولانا عبدالحمید مرحوم اور ان کے بھائی منشی عبدالمجید مرحوم تھے جو مولانا مفتی عبدالواحدؒ اور والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی جمعیت علماء اسلام کے لیے بے پناہ خدمات ہیں۔ مولانا عبدالحمید مرحوم مسجد عثمانیہ میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور وہ اس علاقہ میں جمعیت علماء اسلام کا ہیڈکوارٹر تھا۔ یہ ۱۹۷۰ء کے دور کی بات ہے، ان کے ساتھ حافظ محمد فاروق مرحوم، منشی عبدالمجید مرحوم اور حافظ بلال احمد ایڈووکیٹ جمعیت کے سرگرم کارکن تھے اور پہلوان محمد حنیف بھی جمعیت کے لیے فعال کردار ادا کرتے تھے۔ منشی عبدالمجید مرحوم خوشنویس اور پینٹر تھے اور ہماری فرمائش کے ساتھ ساتھ خود اپنے جذبہ سے بھی مختلف بینر وغیرہ لکھ کر جمعیت کی بے لوث خدمت کیا کرتے تھے۔ دونوں بھائی فوت ہوگئے ہیں اور اب ان کی اولاد مسلک اور جمعیت دونوں حوالوں سے اپنے بزرگوں کی خدمات کے تسلسل کو قائم رکھے ہوئے ہے۔

گزشتہ ہفتے مولانا عبدالحمید مرحوم کے فرزند جمعیت علماء اسلام کے سرگرم راہنما طارق محمود رضوی کے ساتھ آئے اور کہا کہ ہمارے ایک نوجوان کا ۱۱ اکتوبر ہفتہ کو دو بجے نکاح ہے جو آپ نے پڑھانا ہے۔ میں نے معذرت کرنا چاہی کہ میرا یہ دن رائے ونڈ کے لیے ہے اور اگر اس دن نہ گیا تو طے شدہ پروگرام

میں اور کوئی دن رائے ونڈ کے لیے نہیں نکال سکوں گا۔ مگر معذرت قبول نہ ہوئی اور مجھے مولانا عبد الحمید مرحوم اور منشی عبد المجید مرحوم کے لیے اپنا پروگرام تبدیل کرنا پڑا۔ چنانچہ جمعہ کے روز شام کو مولانا قاری جمیل الرحمان اختر کے ہمراہ تھوڑی دیر کے لیے رائے ونڈ حاضری کا پروگرام بنالیا۔ قاری صاحب کے دو بیٹے حافظ عبید الرحمان اور حافظ زبیر بھی ساتھ تھے۔ ہم مغرب کے بعد لاہور سے روانہ ہوئے اور عشاء کی نماز ہم نے جامعہ مدنیہ جدید میں ادا کی جبکہ رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع میں مختلف دوستوں سے ملاقاتوں اور اجتماع کا منظر ایک نظر دیکھنے کے بعد رات بارہ بجے سے قبل ہم واپس لاہور پہنچ گئے۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ انڈیا سے آئے ہوئے کسی تبلیغی بزرگ کا بیان ضرور سنوں اس لیے کہ ان کے بیانات میں مجھے توازن اور علم کی چاشنی زیادہ محسوس ہوتی ہے مگر اس بار محروم رہا۔ معلوم ہوا کہ مغرب سے قبل پہنچ جاتا تو مولانا سعد کا بیان سنا جاسکتا تھا، اگر پہلے سے پروگرام معلوم ہوتا تو اس کی کوشش کی جاسکتی تھی مگر محرومی مقدر میں تھی اس لیے ان کا بیان ختم ہوجانے کے بعد ہم پہنچے اور مختلف دوستوں سے یہ دریافت کرکے خوش ہوتے رہے کہ مولانا سعد نے کیا کہا۔

مولانا سعد کاندھلوی کا بیان

مولانا سعد امیر التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے پوتے ہیں، صاحبِ علم اور صالح نوجوان ہیں، ایک بار سرکردہ علماء کرام کی ایک محفل میں ان سے ملاقات اور گفتگو ہو چکی ہے۔ اور میری ان کے ساتھ عقیدت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے محترم بزرگ اور ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسی منصوری ان کی بہت تعریف کیا کرتے ہیں۔ دیر سے پہنچنے کی وجہ سے ان کا بیان نہ سن سکنے کا قلق ہوا مگر دوستوں سے پوچھ پاچھ کر گزارہ کرلیا۔

مسبب الاسباب پر بھروسہ

ایک دوست کے مطابق مولانا سعد نے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا کہ دنیا کی زندگی اگرچہ اسباب کے ساتھ ہے اور اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے لیکن صرف اسباب پر بھروسہ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اصل قوت اسباب کی نہیں بلکہ مسبب الاسباب (اللہ تعالیٰ) کی ہے۔ ہماری بھوک بظاہر روٹی مٹاتی ہے لیکن اصل قوت اس کے پیچھے روٹی پیدا کرنے والے کی ہے، اور اگر ہم اپنے عقیدہ، نیت

اور عمل کی اس کے مطابق اصلاح کرلیں تو ہماری زندگی سنور جائے۔ مولانا سعد نے دعوت و تبلیغ کے بارے میں کہا کہ کچھ حلقوں میں اسے فرضِ کفایہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ دوسروں کو دعوت اور ان کی اصلاح کے حوالے سے تو دعوت و تبلیغ فرضِ کفایہ ہو سکتی ہے مگر اپنے عقیدہ و ایمان اور عمل و کردار کی اصلاح کے حوالے سے یہ فرضِ کفایہ نہیں بلکہ فرضِ عین کا درجہ رکھتی ہے، اور ہر مسلمان کو اپنی اصلاح کی نیت سے اس عمل میں ضرور شریک ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ دعوت کے دو جواب ہوتے ہیں: ایک قولی اور ایک عملی۔ مثلاً اذان ایک دعوت ہے جس میں مؤذن اپنی آواز سننے والوں کو نماز اور فلاح کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا ایک جواب قولی ہے جس کی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ اذان کے ایک ایک جملے کا جواب دیں۔ لیکن اصل جواب عملی ہے کہ اذان سننے کے بعد سارے کام چھوڑ کر نماز کی طرف آجائیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔

تبلیغی جماعت میں علماء کرام کا کردار

میں نے دریافت کیا کہ آج انڈیا کے کسی اور بزرگ کا بیان بھی ہوا ہے؟ ایک ساتھی نے بتایا کہ مولانا احمد لاٹ صاحب کا بیان دن کے وقت ہوا ہے مگر وہ ان کے بیان کی کوئی تفصیل نہ بتا سکے۔ البتہ ایک دوست نے مولانا احمد لاٹ کے کسی سابقہ بیان کا ذکر چھیڑ دیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ تبلیغی جماعت کے دوستوں کو علماء کرام کے پاس جاتے رہنا چاہیے، ان سے استفادہ اور راہنمائی کے لیے بھی اور ان کی زیارت کی نیت سے بھی، اس لیے کہ اہلِ حق علماء کرام کی زیارت کرنا بھی ثواب کی بات ہے۔

اس پر مجلس میں موجود ایک دوست نے کہا کہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کے لیے جو جماعت بھی نکلے اس کے ساتھ کم از کم دو عالمِ دین ضرور ہوں، ایک ان کے آگے اور ایک ان کے پیچھے تاکہ وہ علماء کرام کی راہنمائی میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں۔

اس پر میں سوچنے لگا کہ بعض خواہشیں کس قدر مخلصانہ اور معصومانہ ہوتی ہیں مگر عملاً انہیں پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے میرے ذہن میں اپنے ماحول کا ایک واقعہ تازہ ہو گیا کہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے دور میں جب مولانا مفتی محمودؒ نے وفاقی شرعی عدالت کے قیام کے بعد صوبائی،

ضلعی اور تحصیل کی سطح پر شرعی عدالتوں کے قیام اور قاضیوں کے تقرر پر زور دینا شروع کیا تو میں نے ایک دن علیحدگی میں مفتی صاحب سے سوال کر دیا کہ حضرت! اتنے قاضی آپ کہاں سے لائیں گے؟ مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ دینی مدارس میں جن مدرسین نے ہدایہ کم از کم چار پانچ مرتبہ پڑھا لیا ہے انہیں عدالتی نظام کی مناسب عملی ٹریننگ دینے کے بعد قاضی بنایا جا سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ درست ہے مگر مدارس سے تجربہ کار اور سینئر مدرسین کی اتنی بڑی تعداد نکال کر آپ ہدایہ کس سے پڑھوائیں گے؟ اس سوال پر تھوڑی دیر کے لیے مفتی صاحب بھی متفکر ہوئے مگر پھر اپنے مزاج کے مطابق بے پروائی سے فرمایا کہ دیکھا جائے گا۔

میں سوچنے لگا کہ امیر التبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کی یہ خواہش بہت بجا، مخلصانہ اور معصومانہ ہے اور اس کی ضرورت و فوائد سے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے مگر دعوت و تبلیغ کے لیے نکلنے والی ہر جماعت کے ساتھ اگر دو علماء یا کم از کم ایک ایک عالم ہی کر دیا جائے تو مساجد میں امامت و خطابت اور مکاتب و مدارس میں تعلیم و تدریس کی ذمہ داری کون سرانجام دے گا؟

سالانہ اجتماع کی نئی ترتیب

عالمی تبلیغی اجتماع کو تبلیغ کے بزرگوں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ۱۲ اکتوبر کو دعا کے بعد اجتماع کا دوسرا حصہ ۱۷، ۱۸، ۱۹ اکتوبر کو ہوگا جبکہ آخری دعا ۱۹ اکتوبر اتوار کو ہوگی۔ ملک کے تمام اضلاع کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جو الگ الگ طور پر ان میں شریک ہو رہے ہیں۔ مگر مجھے اس تقسیم کے باوجود اجتماع کی معمول کی رونق میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا اور یہی دیکھا کہ دعوت و تبلیغ کے اس عمل میں عام لوگوں کی دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے جو بارگاہِ ایزدی میں اس عمل کی قبولیت کی علامت اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا انعام الحسنؒ اور دوسرے اکابر کی خلوص و محبت کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی اس محنت و سعی کو مزید ترقی سے نوازیں اور پوری نسلِ انسانی کی ہدایت کا ذریعہ بنا دیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۸ء)

سالانہ اجتماع ۲۰۱۳ء

رائے ونڈ کا سالانہ عالمی تبلیغی اجتماع دونوں مرحلے مکمل کرنے کے بعد ۱۰ نومبر اتوار کو صبح آخری دعا کے بعد اختتام پذیر ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ہی تین دن، دس دن، چالیس دن، چار ماہ اور سال کی مختلف مدتوں کے لیے ہزاروں تبلیغی جماعتیں علاقائی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنے اپنے مشن کی طرف روانہ ہوجائیں گی۔

تبلیغی جماعت کا بنیادی مقصد

ان جماعتوں کا سب سے بڑا مشن جو سال بھر دنیا کے مختلف حصوں میں شب و روز مصروفِ عمل رہتی ہیں، یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عام مسلمانوں کو دین کی طرف واپسی کی دعوت دی جائے اور کلمہ، نماز، دعا، استغفار، درود شریف، حلال و حرام، باہمی حقوق و معاملات اور دیگر دینی ضروریات کی بنیادی تعلیم دے کر دینی ماحول کی طرف لانے کی محنت کی جائے۔

گزشتہ ہفتہ کے روز میں بھی تھوڑی دیر کے لیے اجتماع میں حاضر ہوا۔ لاہور سے رائے ونڈ پنڈال جانے والی ویگن نے جہاں مسافروں کو اتارا، وہاں سے سیدھا میں پنڈال میں داخل ہوگیا اور حسن اتفاق سے یہ وہ حصہ تھا جہاں الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے اساتذہ، طلبہ اور نمازیوں نے ڈیرہ لگا رکھا تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی، پروگرام کی ترتیب معلوم کی تو پتہ چلا کہ ابھی تھوڑی دیر میں مولانا سعد صاحب کا بیان ہونے والا ہے۔

مولانا سعد صاحب تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے پڑپوتے ہیں اور میری چند سال قبل یہیں رائے ونڈ میں ان سے ملاقات ہوچکی ہے۔ بہت ذہین، معاملہ فہم اور متوازن مزاج کے عالمِ دین ہیں۔ انہیں دیکھ کر یا سن کر خوشی ہوتی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی چوتھی پشت اب اس عالمی محنت کی قیادت کا حصہ ہے۔ ان کا بیان توجہ کے ساتھ سننے کے لیے ایسی جگہ تلاش کی

جہاں آواز صاف سنائی دے رہی ہو اور دور سے ہی سہی مگر زیارت کی ایک جھلک بھی نظر آجائے۔

میاں جی کا بیان

وہاں بیٹھے تو کوئی اور بزرگ بیان کر رہے تھے، ان کی پہلی بات نے ہی ذہن و قلب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، وہ مسلمانوں کی موجودہ صورتحال اور مصائب کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ ہم مسلمان جب اپنے اصل کام سے غافل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں لوگوں کے حوالے کر دیا۔ ہمارا اصل کام یہ تھا کہ خود اللہ تعالیٰ اور ان کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزارتے اور ساری دنیا کو اس کی دعوت دیتے، مگر ہم نے یہ کام چھوڑ رکھا ہے۔

گائے اور دودھ کی مثال

انہوں نے کہا کہ گائے کا کام ہے دودھ دینا اور جب وہ دودھ دینا چھوڑ دے تو ہم اسے قصاب کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے جب سے اپنا کام چھوڑ رکھا ہے ہمیں بھی قصابوں کے حوالے کر دیا گیا ہے، اور قصاب ہمارے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہیں جو وہ جانوروں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ بیان کرنے والے بزرگ کون ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ انہیں میاں جی کے نام سے پکارا جاتا ہے، نام ہمیں معلوم نہیں ہے۔ دیگر دوستوں سے پوچھا تو نام انہیں بھی معلوم نہیں تھا۔

مولانا سعد کاندھلوی کا بیان

تھوڑی دیر میں مولانا سعد صاحب کا بیان شروع ہوا جو دعوت و تبلیغ کے بنیادی تقاضوں اور اس کی اہمیت و ضرورت کے حوالے سے تھا۔ مگر اس بیان میں بعض باتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں محسوس ہوا کہ وہ یہ باتیں عام معمول سے ہٹ کر بطور خاص کہہ رہے ہیں، مثلاً:

"فضائلِ اعمال" کے ساتھ "منتخب احادیث" کی تعلیم

انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں ہندوستان میں تعلیم کے دوران صرف "فضائل اعمال" نہیں پڑھی جاتی بلکہ اس کے ساتھ "منتخب احادیث" بھی ہمارے تعلیمی نصاب کا حصہ ہے۔ "منتخب احادیث" جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احادیث کا ایک منتخب مجموعہ ہے جو امیر التبلیغ

حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ کا مرتب کردہ ہے۔ یہ مجموعہ ایمان، اعمالِ صالحہ، عبادات، معاملات، حلال و حرام، اخلاقیات اور باہمی حقوق کے بارے میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گراں قدر فرمودات پر مشتمل ہے۔ مولانا سعد صاحب کا کہنا تھا کہ پاکستان میں عام طور پر ''منتخب احادیث'' کی بطور نصاب تعلیم نہیں دی جارہی جبکہ ''فضائل اعمال'' کے ساتھ اس کی تعلیم بھی ضروری ہے تاکہ دعوت و تبلیغ کے ساتھ جڑ جانے والوں کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن سے زیادہ سے زیادہ روشناس کرایا جاسکے۔

حلال و حرام کا شعور اور مسجد کی برکت

مولانا سعد نے اپنے بیان میں معاملات اور حلال و حرام کی اہمیت پر بھی زور دیا اور فرمایا کہ حلال و حرام کا شعور بیدار کرنا اور ایک دوسرے کے حقوق پورے کرنے کی ترغیب دینا بھی دعوت و تبلیغ کے مقاصد میں سے ہے اور ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری امور میں شامل ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ ہماری سب سے زیادہ محنت اس بات پر ہونی چاہیے کہ مسلمانوں کو مسجد کے ماحول میں لایا جائے کیونکہ ایمان و اعمال کی تعلیم و تربیت ایمان کے ماحول میں ہی ہوسکتی ہے اور اس کی جگہ مسجد ہے۔ مسجد سے باہر کیے جانے والے اعمال میں وہ برکت نہیں ہوتی جو مسجد میں ہوتی ہے۔ اس لیے ہم اگر لوگوں کو ایمان کی طرف لانا چاہتے ہیں تو اس کی محنت کی صحیح جگہ مسجد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق تو اللہ تعالیٰ کے گھر میں آنے سے ہی قائم ہوگا اور یہی دعوت و تبلیغ کی سب سے بڑی بنیاد ہے۔

باہمی حقوق کا ماحول اور سود کی نحوست

انہوں نے کہا کہ اس کے ساتھ باہمی حقوق کی ادائیگی کا ماحول پیدا کرنا بھی انتہائی ضروری ہے اس لیے کہ حقوق العباد کبھی معاف نہیں ہوں گے جب تک حقوق والے خود معاف نہیں کریں گے۔

مولانا سعد نے سود کا خاص طور پر ذکر کیا اور کہا کہ حرام خوری اور سود کے ساتھ اپنی دعاؤں اور عبادتوں کی قبولیت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ سود خوری تو اللہ تعالیٰ اور رسولِ خدا کے خلاف اعلان جنگ ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ ہو رہی ہے اور دوسری طرف ان سے دعائیں بھی مانگی جارہی ہیں۔ ہمیں اپنی عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ اور ان

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حالتِ جنگ سے نکلنا ہوگا اور سود خوری اور حرام کو ترک کرنا ہوگا۔

مولانا سعد نے اپنے مختصر بیان میں بہت سی باتیں فرمائیں اور آخر میں دعا کی، جبکہ میں اس دعا میں شرکت کے بعد اتنی حاضری پر اکتفا کرتے ہوئے الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے استاذ مولانا محمد عبد اللہ راتھر کے ساتھ لاہور کی طرف واپس روانہ ہوگیا۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۰ نومبر ۲۰۱۳ء)

سالانہ اجتماع ۲۰۱۴ء

رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کا سالانہ عالمی اجتماع گزشتہ شام کو شروع ہوگیا ہے جو دو مرحلوں میں ہوگا۔ پہلا مرحلہ ۹ نومبر اتوار کو صبح چاشت کے وقت دعا پر اختتام پذیر ہوگا جبکہ دوسرا مرحلہ ۱۳ نومبر جمعرات کی شام کو شروع ہوگا اور ۱۶ نومبر اتوار کو صبح اس کی اختتامی دعا ہوگی۔

دعوت و تبلیغ کا عالمگیر دائرہ کار

اس اجتماع میں پاکستان کے طول و عرض سے اور دنیا کے مختلف ممالک سے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان شریک ہوتے ہیں، بزرگانِ دین کے ارشادات سے مستفید ہوتے ہیں اور دعوت و تبلیغ کے بارے میں ہدایات حاصل کرنے کے بعد ہزاروں جماعتوں کی صورت میں دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ دعوت و تبلیغ کے اس عمل کو شروع ہوئے ایک صدی گزرنے کو ہے اور اس نے دنیا بھر میں جس طرح محنت کا دائرہ اس دوران پھیلایا ہے وہ اس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ اور دیگر راہنماؤں بالخصوص حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ، حضرت مولانا سعید احمد خانؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالنپوریؒ، اور حضرت مولانا محمد زبیرؒ کے خلوص و محنت کی قبولیت کی علامت ہے۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کا دائرہ دن بدن پھیلتا جارہا ہے۔

معاشرہ میں دین کی طرف واپسی کی محنت

دعوت و تبلیغ کی اس محنت کا بنیادی ہدف مسلمانوں کو دین کی طرف واپس لانا ہے تاکہ مسلم معاشروں میں دین کے اثرات عام ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا ماحول پیدا ہو جو غیر مسلموں کے اسلام کی طرف متوجہ اور راغب ہونے کے ذریعہ بن سکے۔ تبلیغی جماعت کے بزرگوں کا

کہنا ہے کہ دین کی طرف واپسی، معاشرہ میں دینی ماحول کا فروغ، اور خاص طور پر مسجد کے کردار کا دوبارہ زندہ ہونا، نہ صرف یہ کہ ہم مسلمانوں کی ضرورت ہے کیونکہ ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی اس سے وابستہ ہے، بلکہ یہ آج کی دکھوں اور مصیبتوں میں سسکتی ہوئی انسانیت کی ضرورت بھی ہے جو ذہنی سکون اور قلبی اطمینان سے محروم ہے، بے شمار مشکلات میں گھری ہوئی ہے اور روحانی سکون کی تلاش میں ہے۔ اس لیے کہ انسان اور انسانی سوسائٹی کی ضرورت صرف مادی وسائل اور دنیاوی اسباب نہیں ہیں، بلکہ روح کی خوراک اور قلب و ذہن کا سکون و اطمینان بھی اس کی بنیادی اور ناگزیر ضرورت ہے جو صرف آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی میں مل سکتی ہے۔ اور چونکہ آسمانی تعلیمات اور وحی الٰہی صرف مسلمانوں کے پاس قرآن و سنت کی صورت میں موجود اور محفوظ ہے اس لیے یہ مسلمانوں ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نسخۂ کیمیا تک رسائی کے لیے لوگوں کی راہنمائی کریں اور ساری انسانی دنیا کو اس چشمۂ صافی سے فیضیاب ہونے کے مواقع فراہم کریں۔ مگر یہ بات صرف زبانی دعوت سے نہیں ہوگی بلکہ اس کے لیے عملی ماحول پیدا کرنا ہوگا۔

خیر القرون کا کردار زندہ کرنے کی ضرورت

جیسا کہ اسلام کے دورِ اول میں ہوا تھا کہ صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کے مسلمان دنیا میں جہاں کہیں گئے اور جس رنگ میں بھی گئے ان کے کردار و اخلاق، دیانت و امانت اور شفاف زندگی سے متاثر ہو کر لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آج بھی دنیا کو اسلام کی اور آسمانی تعلیمات کی ضرورت ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے پیغام و دعوت کو قبول کیے بغیر نسلِ انسانی کے لیے فلاح و فوز کا کوئی آپشن موجود نہیں ہے۔ لیکن اسلام کی طرف متوجہ کرنے، قرآن و سنت کی تعلیمات سے آگاہ کرنے، اور دینی معاشرہ کی ترغیب دینے کے لیے زبانی دعوت کے ساتھ ساتھ جس قسم کا ماحول اس کے لیے ضروری ہے اس کی محنت ہونی چاہیے۔ تبلیغی جماعت کے اہل دانش کا کہنا ہے کہ ہم اسی ماحول کو واپس لانے کے لیے محنت کر رہے ہیں جو پوری دنیا میں ایک بار پہلے بھی اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ بن چکا ہے۔

تبلیغی جدوجہد کے ثمرات

اس محنت کے لیے تبلیغی جماعت کا اپنا ایک نظام ہے، طریق کار ہے، درجہ بندی ہے، ترجیحات ہیں

اور اسلوب ہے۔ جو ظاہر ہے کہ کم و بیش ایک صدی کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ ان باتوں سے اختلاف ہو سکتا ہے اور ان میں سے کسی پہلو پر کسی صاحب علم کے لیے تحفظات کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن دو باتیں بالکل واضح ہیں:

- ایک یہ کہ دین کی طرف واپسی اور دینی معاشرہ کے قیام کی یہ محنت خلوص وللّٰہیت پر مبنی ہے،
- اور دوسری یہ کہ اس کے تاثرات دن بدن پھیلتے جا رہے ہیں جو ظاہر ہے کہ قبولیت کی علامت ہے۔

رائے ونڈ کے اس اجتماع میں بہت سے لوگ اس لیے بھی جاتے ہیں کہ نیک لوگوں کی اور دنیا بھر سے آئے ہوئے علماء کرام اور بزرگان دین کی زیارت ہوگی، اور اجتماعی دعا میں شرکت ہو جائے گی۔ یہ پہلو بھی خیر سے خالی نہیں ہے کیونکہ یہ اجتماعی دعائیں بہت سی برکات کے حصول اور بہت سی آفات میں رکاوٹ کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو دونوں مراحل میں کامیابی اور برکات و ثمرات سے بہرہ ور فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور – ۸ نومبر ۲۰۱۴ء)

سالانہ اجتماع ۲۰۱۵ء

گزشتہ روز جمعرات کو رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کے سالانہ عالمی اجتماع کے دوسرے مرحلہ کے آغاز میں کچھ دیر کے لیے حاضری کا اتفاق ہوا۔ یہ میرا کم و بیش ہر سال کا معمول ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے حاضر ہوتا ہوں، ایک دو نمازوں میں شریک ہوتا ہوں، اور ایک دو بزرگوں کے بیانات سن کر واپسی کر لیتا ہوں۔ جس سے اس خیر کے کام میں تھوڑی سی شرکت ہو جاتی ہے، کچھ دوستوں سے ملاقات ہو جاتی ہے، اور دعوت و اصلاح کا اجتماعی عمل دیکھ کر ایمان کو تازگی میسر آجاتی ہے۔

جمعرات کو ظہر کے بعد ملتان روڈ لاہور میں اسکیم موڑ کے قریب مکی جامع مسجد میں سودی نظام کے خلاف مہم کے سلسلہ میں پروگرام تھا۔ مسجد کے خطیب مولانا محمد رمضان باذوق بزرگ ہیں، والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور اس نسبت سے مجھے بھی ان کی محبت و شفقت کا وافر حصہ ملتا رہتا ہے۔ اس موقع پر سودی نظام کی نحوست اور اس سے نجات کی جدوجہد کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کیں۔ مولانا محب النبی، مولانا مبشر احمد تھانوی اور مولانا عبد الماجد شہیدی آف منڈی بہاؤالدین سمیت بہت سے سرکردہ علماء کرام موجود تھے۔ انہوں نے سودی نظام کے خلاف رائے عامہ کو آگاہ اور منظم کرنے کی اس مہم کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا اور دعاؤں سے نوازا۔

فضلائے مدارس کی ''ہاؤس جاب''

وہاں سے مولانا عبد الماجد شہیدی، مولانا محمد فراز اور حافظ محمد بلال کے ہمراہ رائے ونڈ روانگی ہوئی۔ مولانا محمد فراز دارالعلوم کراچی کے فاضل ہیں، لاہور کے ایک صنعتکار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان دنوں ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت کے ساتھ چل رہے ہیں۔ انہوں نے جب مجھے بتایا کہ میرا سال ابھی چل رہا ہے تو میں نے ان سے کہا کہ میں اسے فضلائے دینی مدارس کے لیے ''ہاؤس جاب''

کہا کرتا ہوں جس سے

- دینی جدوجہد کی کچھ پریکٹس ہو جاتی ہے،
- اپنے روزمرہ کے معمولات کی ترتیب بن جاتی ہے،
- اور پبلک ڈیلنگ کا تھوڑا بہت تجربہ ہو جاتا ہے۔

ان کے پاس خواص اور علماء کے حلقہ میں جانے کے لیے پاس موجود تھا، انہوں نے کہا کہ وہاں چلتے ہیں، میں نے معذرت کر دی کہ پروٹوکول کے ماحول سے میری طبیعت مانوس نہیں ہوتی اس لیے تھوڑی دیر کسی عام حلقے میں ہی گزاریں گے۔ چنانچہ ہم منڈی بہاؤالدین کی مرکزی جامع مسجد کے حلقہ میں بیٹھ گئے۔

حضرت مولانا نذر الرحمٰن کا بیان

حضرت مولانا نذر الرحمن بیان فرما رہے تھے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت وضرورت پر ان کی گفتگو جاری تھی۔ ان کا ارشاد تھا کہ دنیا میں اگر جناب نبی اکرمؐ اور خلفاء راشدینؓ کی سنتوں کا احیا ہو جائے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوہ کو اپنانے کا ماحول بن جائے تو آخرت بننے کے ساتھ ساتھ ہماری دنیا بھی سنور جائے گی۔ اس لیے سنتوں پر عمل کے ماحول کو زندہ کرنے کی اس محنت میں سب لوگوں کو شریک ہونا چاہیے۔

ہمارے ایک عزیز شاگرد حافظ خالد محمود جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل ہیں، جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد سے انہوں نے تخصص کیا ہے اور ان دنوں منگووال ضلع گجرات میں تدریس و خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا نکاح رائے ونڈ میں ہو اور نکاح خوانی کی سعادت مجھے ملے۔ میں نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ جمعرات کو مغرب کی نماز رائے ونڈ کے اجتماع میں ادا کر لیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے والد محترم اور خسر بزرگوار کے ساتھ آ گئے اور نمازِ مغرب کے بعد ایک مختصر سی تقریب میں یہ فریضہ سرانجام پا گیا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت مولانا احمد لاٹ کا بیان

اس کے بعد ہم حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب کا بیان سننے میں مصروف ہو گئے اور ساتھ ساتھ

کام و دھن کی تواضع کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ مولانا موصوف کا بیان دنیا کی بے ثباتی اور اخروی زندگی کے دوام پر تھا، اور وہ فرما رہے تھے کہ یہ دنیا رہنے کے لیے نہیں ہے بلکہ آخرت کی اصل اور دوامی زندگی کی تیاری کے لیے ہے۔ دنیا سے انکار نہیں ہے مگر وہ بقدرِ ضرورت ہے، اصل زندگی آخرت کی ہے، اس لیے ہماری سب سے بڑی فکر یہ ہونی چاہیے کہ جنت کا راستہ مل جائے اور جہنم سے بچ جائیں۔

میرا معمول عام طور پر تبلیغی اجتماع میں ہفتہ کے دن کا کچھ حصہ گزارنے کا ہے لیکن اس سال ہم نے پاکستان شریعت کونسل کے زیر اہتمام حسن ابدال کے ”مرکز حافظ الحدیث درخواستیؒ“ میں ۱۴ نومبر کو ہفتہ کے روز ”سیرۃ النبیؐ کانفرنس“ کا اہتمام کر رکھا ہے جس کی صدارت امیر محترم مولانا فداء الرحمن درخواستی کریں گے اور مہمان خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا زرولی خان ہوں گے۔ جبکہ مقررین میں مولانا محمد امجد خان، مولانا عبد الرؤف فاروقی، مولانا عبد القیوم حقانی اور دیگر سرکردہ خطباء کرام شامل ہوں ہیں۔ سیرت کانفرنس ظہر کی نماز کے بعد شروع ہوگی اور مغرب تک جاری رہے گی۔ اس سے قبل صبح دس بجے پاکستان شریعت کونسل کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوگا جس میں ملک کی موجودہ صورتحال اور دینی جدوجہد کے تقاضوں کے حوالے سے غور و خوض ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پاکستان شریعت کونسل کے بارے میں یہ وضاحت ان کالموں میں کئی بار کی جا چکی ہے کہ اس کا زور تنظیم سازی پر نہیں بلکہ علمی و فکری راہنمائی کے ساتھ ساتھ دینی حلقوں کے درمیان ربط و ضبط کے فروغ پر ہوتا ہے۔ اور وہ کسی عوامی تحریک کی بجائے ”توجہ دلاؤ تحریک“ کے دائرہ میں مصروف عمل رہتی ہے۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۴ نومبر ۲۰۱۵ء)

سالانہ اجتماع ۲۰۱۶ء

رائے ونڈ کے عالمی تبلیغی اجتماع کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جس کے مطابق ملک کے تمام حلقوں کو علاقائیت کا تاثر دیے بغیر چار حصوں میں بانٹ کر ہر سال دو حلقوں کا اجتماع ایک ہفتہ کے فرق کے ساتھ منعقد ہوگا۔ اس سال کا پہلا اجتماع نومبر کے پہلے ہفتے میں اور دوسرا اجتماع گزشتہ روز دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوا ہے، جبکہ دوسرے دو حلقوں کا اجتماع اسی ترتیب کے ساتھ ان شاءاللہ العزیز اگلے سال ہوگا۔

چند روز قبل میں نے لاہور میں ایک تبلیغی دوست سے کہا کہ اجتماعات کی ترتیب بتادیں تاکہ میں اس کے مطابق اپنا پروگرام تشکیل دے سکوں تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سال آپ لوگوں (گوجرانوالہ والوں) کا اجتماع نہیں ہے۔ میں نے پوچھا دیکھنے کی اجازت تو ہوگی؟ ہنس کر بولے کہ ہاں دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے دوسرے اجتماع کے درمیانے دن حاضری کی ترتیب بنالی لیکن اس سے قبل گوجرانوالہ کے علماء کے سالانہ اجتماعی سہ روزہ کا پروگرام بن چکا تھا۔ ہمارے شہر کے علماء کرام کا سالہا سال سے معمول ہے کہ سال میں ایک اجتماعی سہ روزہ لگاتے ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوتا ہوں۔

اس سال کی ترتیب ۸،۹، ۱۰ نومبر کی بنی اور سرگودھا میں تشکیل ہوگئی۔ چنانچہ گوجرانوالہ کے تیس سے زیادہ علماء پر مشتمل قافلہ آٹھ نومبر کو ظہر تک سرگودھا کے تبلیغی مرکز پہنچ گیا۔ ہم تین دن وہیں رہے اور اس دوران شہر اور گرد و نواح کی مساجد و مدارس میں ہماری حاضری، ملاقاتوں اور گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ حسن اتفاق سے ۹ نومبر کو جامعہ اسلامیہ محمودیہ کی دعوت پر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی سرگودھا تشریف لائے تو ہمیں بھی مرکز کی اجازت سے ان کے پروگرام میں حاضری اور خطاب سننے کا موقع مل گیا۔

۱۲ نومبر کو مولانا قاری جمیل الرحمن اختر کے ساتھ رائے ونڈ حاضری کی ترتیب طے تھی جبکہ اسی روز

گیارہ بجے دن منصورہ میں ملی یکجہتی کونسل پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس تھا۔ ہم دنوں اس میں شریک ہوئے اور اس کے بعد رائے ونڈ کی طرف روانہ ہوگئے، عزیزم حافظ محمد زبیر جمیل بھی ہمارے ساتھ تھے۔

حضرت حاجی عبدالوہاب سے ملاقات

ہم نے عصر کی نماز تبلیغی مرکز کی مسجد میں مخدوم و محترم حاجی عبدالوہاب مدظلہ کے ہمراہ ادا کی۔ ان سے ملاقات ہوئی اور ان کے رفقاء مولانا محمد فہیم اور مولانا مدثر کے ساتھ مختصر نشست میں محترم حاجی صاحب ہی کا تذکرہ ہوتا رہا کہ اس پیرانہ سالی، امراض اور ضعف کے باوجود پوری ہمت و استقلال کے ساتھ تبلیغی جماعت کی راہنمائی اور قیادت فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت کے ساتھ تادیر یہ فریضہ سرانجام دیتے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

بزرگوں کا تذکرہ اجتماعی راہنمائی کے نقطۂ نظر سے

واپسی پر جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور میں مفکر انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی جدوجہد اور خدمات کے تذکرہ کے حوالہ سے ''مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ پاکستان'' کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوگئی جس سے سینیٹر حافظ حمد اللہ، پروفیسر ڈاکٹر امجد علی شاکر، مولانا نعیم الدین اور دیگر زعماء نے خطاب کیا۔

راقم الحروف نے اپنی گفتگو میں عرض کیا کہ ہمارے ہاں یہ عمومی مزاج بنتا جا رہا ہے کہ اکابر میں سے کسی بزرگ کے بارے میں بات کرتے ہیں تو وہ گفتگو چند باتوں تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ کوئی بھی بڑا شخص جب مسائل پر اظہار خیال کرتا ہے یا ان کے لیے عملی کوشش کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ دو چار باتیں ایسی ضرور ہوتی ہیں جن میں انفرادیت ہوتی ہے اور وہ عام روٹین اور روایت سے ہٹ کر ہوتی ہیں۔ ایسی باتیں ناقدین کے ہاں تو موضوع بحث بنتی ہی ہیں مگر ہمنوا حلقے بھی انہی کے دفاع میں مصروف ہو جاتے ہیں اور پھر اس شخصیت کے بارے میں سارا تذکرہ انہی باتوں کے گرد گھومتا رہتا ہے جس سے شخصیت کے مثبت ارشادات و اعمال نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ ایسے طرز عمل سے بہت سی بڑی شخصیات اعتراضات و جوابات کے گرد ہی گھوم کر رہ جاتی ہیں۔

چنانچہ ہمیں اپنے بزرگوں سے صحیح استفادہ کے لیے اس نفسیات اور مزاج کے ماحول سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اکابر کی زندگیوں کے ان پہلوؤں کو سامنے لانا چاہیے جن کا تعلق امت کی اجتماعی راہنمائی سے ہے، اور جن سے نئی نسل کو اس کی تربیت و اصلاح کے لیے آگاہ کرنا زیادہ ضروری ہے۔ اس پس منظر میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی جدوجہد، افکار و تعلیمات اور حوصلہ و کردار کے بارے میں چند گزارشات اس موقع پر میں نے پیش کیں جس کی کچھ تفصیل ایک مستقل کالم کی صورت میں سامنے لانے کا ارادہ رکھتا ہوں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۵ نومبر ۲۰۱۶ء)

سالانہ اجتماع ۲۰۲۲ء

اس بار رائے ونڈ کے سالانہ عالمی تبلیغی اجتماع کی ترتیب میں گوجرانوالہ کا حلقہ شامل نہیں تھا مگر غیر حاضری کو جی نہیں چاہا اور ۱۲ نومبر ہفتہ کو مغرب کے بعد تھوڑی دیر کے لیے شرکت کی سعادت حاصل ہوگئی۔ میرا عزیز پوتا حافظ محمد ہلال خان ناصر اور رفیق سفر حافظ شاہد الرحمٰن میر ہمراہ تھے۔ چھوٹے پوتے ابدال خان سے چلنے کو کہا تو بولا پچھلے سال آپ کے ساتھ گیا تھا وہاں لوگ آپ کو گھیر لیتے ہیں اس لیے اس سال میں نے نہیں جانا۔

وہاں پہنچ کر کوشش تو یہ تھی کہ خاموشی کے ساتھ کسی حلقہ میں تھوڑی دیر بیٹھ کر جو بیان ہو رہا ہو وہ سن لیں اور پھر واپسی کریں، مگر پنڈال کے ایک حلقہ کے سامنے سے گزرتے ہوئے شنگریلا کے مولانا شاکر اللہ نے دیکھ لیا اور اصرار کیا کہ ہمارے حلقہ میں چلیں، میں نے کہا کہ صرف تھوڑی دیر بیان سننا چاہتا ہوں تو کہنے لگے کہ ہمارے حلقہ میں لاؤڈ اسپیکر کا انتظام اچھا ہے بیان سنا جا سکتا ہے، چنانچہ ان کے حلقہ میں جا کر بیٹھ گئے اور ان کی طرف سے اکرام کا لطف اٹھانے کے ساتھ ساتھ کچھ بیان بھی سن لیا۔ میں نے پوچھا کہ کون بزرگ بیان کر رہے ہیں تو بتایا کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم دیولا ہیں۔ مولانا محترم انڈیا کے اکابر علماء کرام میں سے ہیں اور تبلیغی جماعت کے بڑوں میں شمار ہوتے ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم دیولا کا بیان

مولانا محمد ابراہیم دیولا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگزاری پر گفتگو فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ بہت قدردان ہیں کہ اعمالِ خیر کے ساتھ ساتھ ان کے اسباب اختیار کرنے پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمالِ خیر کی قدردانی

مثلاً نماز عبادت ہے مگر نماز سے متعلقہ ہر عمل پر ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ نماز کے لیے مسجد میں جانے

پر قدم بھی شمارے ہوتے ہیں اور ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح خیر کا جو عمل بھی آپ کریں اور اس کے لیے جو اسباب بھی اختیار کریں اللہ تعالیٰ ان سب پر اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں جو کہ قدر دانی کی انتہا ہے۔ جبکہ ہم بہت ناقدر دان لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات پر ناشکری کرتے ہیں اور اس کے باوجود اللہ رب العزت کی طرف سے نعمتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کی محنت اور زندگی کی ترتیب

دعوت و تبلیغ کی محنت کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ امیر التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اس محنت کے نتیجے میں سب سے پہلے عبادات کا ماحول زندہ ہو گا، اس لیے کہ کلمہ طیبہ کے بعد پہلا نمبر نماز کا ہے جو سب سے بڑی عبادت ہے۔ اور ہم دنیا بھر میں دیکھ رہے ہیں کہ جہاں بھی دعوت و تبلیغ کی محنت ہوتی ہے عبادات کا ماحول بہتر ہو جاتا ہے جو اس کام کی قبولیت کی علامت ہے اور ہم اس پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں۔

انہوں نے کہا کہ دعوت و تبلیغ کی محنت کا اصل ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کی ترتیب بدل جائے۔ ہمارے ہاں عام طور پر دنیا کو ترجیح ہوتی ہے اور اس کی خاطر دین کے کام مؤخر ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ہماری اصل ترتیب یہ ہے کہ دین کے کاموں کو مقدم رکھا جائے اور دین و دنیا کے معاملات میں دین کو ترجیح دی جائے۔ اگر زندگی کی ترتیب میں یہ تبدیلی آجائے تو ہمارے تمام معاملات صحیح رخ پر آجاتے ہیں اور کامیابی اور نجات کے راستے کھل جاتے ہیں، بلکہ ہم جن مسائل اور مشکلات سے دوچار رہتے ہیں ان کے حل اور ان سے نجات بھی زندگی کی ترتیب میں اسی تبدیلی سے آئے گی۔ اس لیے ہم سب کو اپنی زندگی، اعمال اور معاملات کی ترتیب اور ترجیحات پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ دین و دنیا دونوں حوالوں سے ہمارے لیے فلاح کا راستہ یہی ہے۔

ہمارے میزبان مولانا شاکر اللہ نے بتایا کہ وہ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں پڑھتے رہے ہیں اس لیے انہیں اس اچانک ملاقات پر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ ان کے حلقہ کے دیگر حضرات نے بھی بہت احترام و اکرام کیا۔ اس مختصر حاضری کے بعد واپسی میں جلدی کی کہ کوئی اور ساتھی پہچان کر نہ روک لے جس سے اگلی ترتیب خراب ہونے کا خدشہ تھا۔

میں اکثر عرض کیا کرتا ہوں کہ دین کی جدوجہد کے بہت سے میدان ہیں جو سب صحیح اور ضروری ہیں،

جس شعبہ میں بھی کوئی دوست کام کر رہا ہے وہ دین کا کام کر رہا ہے، بشرطیکہ دوسرے شعبوں کے ساتھ تعاون کا مزاج بھی رکھتا ہو، یا کم از کم دینی جدوجہد کے کسی دوسرے شعبے اور رجال کار کے بارے میں منفی احساسات سے دور رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اپنے دائرہ میں دینی جدوجہد کے لیے کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد-۱۶ نومبر ۲۰۲۲ء)

جامعہ بناء العلم رائے ونڈ میں حاضری

ان دنوں دینی مدارس میں تعلیمی سال کا اختتامی مہینہ چل رہا ہے اور اگلے ماہ سالانہ امتحانات کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ کچھ عرصہ سے بخاری شریف کی آخری حدیث کا سبق ایک تقریب کی صورت میں پڑھائے جانے کا رجحان بڑھ گیا ہے اور اس حوالے سے باقاعدہ اجتماعات منعقد ہوتے ہیں جن میں بخاری شریف کے آخری سبق کے ساتھ ساتھ مدارس کی کارکردگی اور دیگر دینی ضروریات کی طرف بھی لوگوں کو توجہ دلائی جاتی ہے۔ ۲۷/اپریل کو صبح ۱۱ بجے رائے ونڈ کے جامعہ بناء العلم اور بعد نماز عشاء مکی مسجد گوجرانوالہ کے جامعہ فاطمۃ الزہراء میں طالبات کو بخاری شریف کا آخری سبق پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس موقع پر جو گفتگو ہوئی اس کے کچھ حصے قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں۔

بعد الحمد والصلوۃ۔ چونکہ طالبات کو حدیث نبویؐ کا ایک سبق پڑھانے کی تقریب ہے اس لیے دو باتوں پر بطور خاص گفتگو کرنا چاہوں گا:

1. ایک یہ کہ حدیث کیا ہے اور دین میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟
2. اور دوسری بات یہ کہ علمِ دین بالخصوص قرآن کریم، حدیثِ نبویہؐ اور فقہ اسلامی کے ساتھ خواتین کا تعلق کیا ہے اور اس سلسلہ میں ہماری روایات کیا ہیں؟

حدیثِ نبویؐ کا دین میں مقام و مرتبہ

حدیث نبویؐ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا کہنا ہے کہ یہ علومِ دینیہ میں داخلہ کا صدر دروازہ ہے۔ ہم دینی علوم میں سے کوئی علم بھی حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے ہمارے پاس سب سے بڑا ذریعہ حدیثِ نبویؐ ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم تک رسائی کا ذریعہ بھی حدیثِ نبویؐ ہے۔

اس کی ایک مثال عرض کرنا چاہوں گا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی پہلی وحی سورۃ العلق کی

پہلی پانچ آیات ہیں جو "اقراء" سے شروع ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ یہ پہلی پانچ آیات ہیں جن سے قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا تھا، ہمارے پاس ذریعہ صرف غارِ حرا کا واقعہ ہے جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ غار حرا کے واقعہ کے ذریعے ہمیں ان آیات کا علم ہوا ہے اور ہم ان پر ایمان لائے ہیں، اگر غار حرا کا یہ واقعہ نہ ہو تو ان آیات تک رسائی کا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

یہ بات میں نے اس لیے عرض کی ہے کہ بعض حضرات کو مغالطہ ہو جاتا ہے کہ کیا قرآن کریم پر ایمان لانے کے بعد حدیث پر ایمان لانا بھی ضروری ہے؟ تو میں ایسے دوستوں سے عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن کریم کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے حدیث پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اگر حدیث کو مانیں گے تو قرآن کریم تک رسائی ہوگی، اور اگر خدانخواستہ حدیث پر ایمان نہیں ہے تو قرآن کریم کی کسی آیت یا جملے پر ایمان لانا ممکن ہی نہیں ہے۔

علمِ دین کی ترویج میں خواتین کا کردار

دوسری بات یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے اور اسے امت تک پہنچانے میں جس طرح مردوں نے محنت کی ہے اسی طرح عورتوں نے بھی محنت کی ہے۔ ہزاروں صحابہ کرامؓ کی طرح سینکڑوں صحابیاتؓ بھی روایتِ حدیث کا حصہ ہیں۔ اور کہیں بھی یہ فرق نہیں کیا گیا کہ یہ روایت مرد سے ہے اس کا درجہ زیادہ ہے، اور یہ روایت عورت سے ہے اس کا درجہ کم ہے۔ جس طرح مرد صحابہ کرامؓ کی روایات کو حجت سمجھا گیا ہے اسی طرح عورتوں کی روایات کو بھی اسی درجہ کی حجت کا مقام حاصل ہے۔ حدیث کی روایت میں یہ فرق تو محدثین اور فقہاء کرام کے ہاں پایا جاتا ہے کہ گھر کے اندر کے ماحول سے تعلق رکھنے والی روایات میں خواتین کی روایات کو ترجیح حاصل ہے، حضراتِ صحابہ کرامؓ خود جناب نبی اکرمؐ کے گھریلو ماحول کے بارے میں ازواجِ مطہراتؓ کی روایات کو فوقیت دیا کرتے تھے۔ مگر یہ فرق کہیں بھی نہیں ہے کہ مردوں کی روایات کو مرد ہونے کی وجہ سے عورتوں کی روایات پر ترجیح دی جاتی ہو۔

قرآن کریم کی تفسیر کے حوالے سے بھی یہی صورتحال ہے اور بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں بیسیوں روایات موجود ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر و تشریح جس طرح مرد صحابہ کرامؓ کرتے تھے اسی طرح

خواتین صحابیاتؓ نے بھی قرآن کریم کی آیات، جملوں اور الفاظ کی تفسیر وتشریح فرمائی ہے۔ کسی جگہ بھی یہ فرق دیکھنے میں نہیں آیا کہ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کے باب میں مردوں اور عورتوں کے درمیان امتیاز روا رکھا گیا ہو۔

فتویٰ دینے والی صحابیاتِ کرامؓ

فقہ واستنباط کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ مرد صحابہ کرامؓ اجتہاد کرتے تھے، قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ نبویہؐ سے استنباط واستدلال کرکے مسائل بیان کرتے تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے، اور عورتیں بھی اس کام میں پیچھے نہیں تھیں۔ حافظ ابن القیمؒ نے صحابہ کرامؓ کے دور میں تیئیس (۲۳) خواتین کا تذکرہ کیا ہے جو باقاعدہ فتویٰ دیا کرتی تھیں اور ان کا فتویٰ تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان میں سب سے بڑی مقنیہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جو اپنے معاصر مفتیوں کے فتاویٰ پر نقد بھی کرتی تھیں اور ان کے جواب میں اپنا فتویٰ صادر کرتی تھیں۔

حضرت عمرؓ کا مہر کی رقم مخصوص کرنے کا واقعہ

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ طالبات کی حوصلہ افزائی کے لیے عرض کرنا چاہتا ہوں جو تفسیر ابن کثیرؒ میں موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک موقع پر خطبۂ جمعہ کے دوران مہر کی رقم پر پابندی لگانے کا اعلان کر دیا۔ فرمایا کہ چونکہ شادی میں مہر کی بڑی رقم طے کرلی جاتی ہے اور بعد میں ادائیگی کے موقع پر جھگڑے ہوتے ہیں، اس لیے میں اعلان کرتا ہوں کہ کسی شادی میں چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے، اگر کسی شادی میں چار سو درہم سے زیادہ مہر دیا گیا تو زائد رقم بحق سرکار ضبط کر کے بیت المال میں جمع کردوں گا۔

یہ اعلان فرمانے کے بعد جمعہ پڑھا کر باہر نکلے تو ایک خاتون نے روک لیا کہ امیر المؤمنین! آپ نے یہ اعلان کیسے کر دیا ہے، کیا آپ نے قرآن کریم نہیں پڑھا؟ حضرت عمرؓ کے اوصاف میں ایک خاص وصف امام بخاریؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ قرآن کریم کا حوالہ سامنے آتے ہی رک جایا کرتے تھے۔ انہوں نے خاتون سے حوالہ پوچھا تو اس نے کہا کہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ اگر تم نے اپنی بیویوں کو "قنطار" برابر دولت بھی دے دی ہے تو جو دے دی ہے وہ ان سے واپس نہ مانگو۔ قنطار ڈھیر کو کہتے ہیں،

اس خاتون کا استدلال یہ تھا کہ جب قرآن کریم ہمیں خاوندوں سے ڈھیروں کے حساب سے دلواتا ہے تو آپ چار سو درہم سے زیادہ مہر پر پابندی کیسے لگا رہے ہیں؟ یہ سن کر حضرت عمرؓ اسی وقت واپس مسجد میں گئے اور دوبارہ اعلان فرمایا کہ مجھ سے اعلان میں غلطی ہو گئی تھی، ایک عورت نے مجھے قرآن کریم کی آیت کی طرف توجہ دلائی ہے اور وہ ٹھیک کہتی ہے، اس لیے میں اپنا اعلان واپس لیتا ہوں۔

آج کہا جاتا ہے کہ اسلام عورت کو رائے کا حق نہیں دیتا اور علم کا حق نہیں دیتا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اسلام میں عورت کا رائے کا حق یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کر رہی ہے اور اس کے علم کا مقام یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے قرآن کریم سے استدلال کر رہی ہے اور حضرت عمرؓ اس کے استدلال کو قبول فرما رہے ہیں۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۳۰ اپریل ۲۰۱۴ء)

سہ روزوں کا احوال

مسجد شیخہ سالم لاہور کا سہ روزہ

تبلیغی جماعت کی برکت سے مجھے عیدالاضحیٰ کے بعد دو دن ماڈل ٹاؤن لاہور کے علاقے میں گزارنے کا موقع ملا۔ کبھی کبھی میں تبلیغی جماعت کے ساتھ سہ روزہ لگایا کرتا ہوں جس کا ایک مقصد تو اس کارِ خیر کے ساتھ نسبت اور تعلق قائم رکھنا ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ بہت سے دوستوں سے ملاقات ہو جاتی ہے اور دینی جدوجہد کے نئے رجحانات سے آگاہی ہوتی رہتی ہے۔

پروگرام کے مطابق مجھے عیدالاضحیٰ کے بعد جمعہ کے روز شام کو گوجرانوالہ سے علمائے کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ لاہور پہنچنا تھا اور ہماری تشکیل مرکز کی طرف سے لنک روڈ ماڈل ٹاؤن کی مسجد شیخہ سالم میں ہوگئی تھی، مگر اپنے ایک پرانے دوست اور رفیق کار ڈاکٹر غلام محمد صاحب کی وفات کے باعث میں جمعہ کو سفر نہ کر سکا۔ ڈاکٹر صاحب جمعیت علماء اسلام (س) کے صوبائی نائب امیر تھے، ایک عرصے سے بیمار تھے، جمعۃ المبارک کی صبح ان کا انتقال ہوا اور شام کو عصر کے بعد نوشہرہ ورکاں کے قریب گاؤں ظفر آباد میں جنازہ تھا۔

ڈاکٹر غلام محمد ۱۹۷۲ء سے کم و بیش تیس سال تک ضلع گوجرانوالہ کی دینی سیاست کا متحرک کردار اور ضلع کی امن کمیٹی کے فعال رکن رہے۔ میرے اس وقت کے ساتھی تھے جب گوجرانوالہ اور حافظ آباد ایک ہی ضلع ہوا کرتے تھے، ہم عام طور پر بائیسکل پر ضلع کے دور دراز علاقوں میں جماعتی کام کے لیے گھوما کرتے تھے اور ضلع کا کوئی علاقہ ہماری دسترس سے باہر نہیں ہوا کرتا تھا۔ ان سے صرف چار روز قبل ہمارے ایک اہم ساتھی اور جمعیت علماء اسلام (س) ضلع گوجرانوالہ کے امیر مولانا علی احمد جامیؒ کا انتقال ہوا ہے۔ وہ مدرسہ نصرۃ العلوم کی طالب علمی کے دور سے میرے ساتھی تھے، دینی تحریکات میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی متعدّد بار برداشت کیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان دونوں دوستوں کی مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے جنازے کی وجہ سے میں ہفتہ کی صبح مسجد شیخہ سالم پہنچا اور جاتے ہی امیر جماعت کی طرف سے دیے گئے شیڈول کے مطابق کام کا آغاز ہو گیا۔ میرے ذمہ کام یہ تھا کہ سرکردہ علماء کرام کی خدمت میں تبلیغی جماعت کے دوسرے رفقاء کے ہمراہ حاضر ہو کر ان سے جماعت کے کاموں کی سرپرستی کی درخواست کروں اور ۱۵ مارچ سے لاہور میں ہونے والے تبلیغی اجتماع کی کامیابی کے لیے دعا کی گزارش کروں۔ میرے ساتھ ان ملاقاتوں میں مسجد شیخہ سالم کے خطیب مولانا عبدالغفور، فیصل آباد کے ایک عالمِ دین مولانا عبیداللہ، اور ماڈل ٹاؤن لاہور کے ایک سرگرم نوجوان عالم مولانا عثمان آفاق بھی شریک تھے۔

جامعہ اشرفیہ کی حاضری

میری عادت ہے کہ جب کسی کام کا نظم میرے ہاتھ میں ہو تو مرضی اپنی کیا کرتا ہوں لیکن کسی اور کے ہاتھ میں نظم ہو تو مداخلت نہیں کیا کرتا اور چپ چاپ ساتھ چلتا رہتا ہوں۔ مگر یہاں میں نے تھوڑی سی مداخلت کی کہ جن حضرات سے ملاقاتیں کرنا تھیں ان کی فہرست اپنی مرضی سے بنوالی۔ چنانچہ پہلے روز ہم جامعہ اشرفیہ گئے، عید الاضحیٰ کی تعطیلات کی وجہ سے اکثر اساتذہ اور طلبہ چھٹی پر تھے اس لیے صرف ایک بزرگ استاذ مولانا عبدالرحیم چترالی سے ملاقات ہو سکی۔ انہوں نے بہت شفقت فرمائی اور نصرت کے لیے مسجد شیخہ سالم میں تشریف لائے۔

دارالعلوم اسلامیہ اقبال ٹاؤن کی حاضری

دارالعلوم اسلامیہ اقبال ٹاؤن میں حاضری ہوئی تو مولانا قاری احمد میاں تھانوی موجود تھے ان سے بہت سے امور پر گفتگو ہوئی۔ وہ ان دنوں علم و تجوید و قراءت کے ایک موضوع پر جامعہ پنجاب سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ ان کا مقالہ آخری مراحل میں ہے، اس کے کچھ حصے انہوں نے ہمیں دکھائے۔ قاری صاحب محترم نے جماعتی کاموں کی تحسین کی اور علماء گوجرانوالہ سے ملاقات کے لیے مسجد شیخہ سالم تشریف لائے۔

خانقاہ سید احمد شہیدؒ کی حاضری

ان کے بعد ہم بزرگ عالمِ دین اور روحانی پیشوا حضرت سید نفیس شاہ صاحب مدظلہ کی خدمت میں

حاضر ہوئے، وہ سگیاں راوی پل سے شاہدرہ کی جانب دو فرلانگ کے فاصلے پر اپنی خانقاہ میں تھے جو مجاہدینِ بالاکوٹ کے امیر حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام سے موسوم ہے اور حضرت شاہ صاحب کے متعلقین اور معتقدین روحانی تربیت و تسکین کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے ہیں، وہاں ہم نے نماز ظہر ادا کی اور ملاقات کا مقصد عرض کر کے دعا کرائی۔ حضرت شاہ صاحب کی سرپرستی میں حال ہی میں ایک اہم کتاب شائع ہوئی ہے، اس کا ایک نسخہ انہوں نے مجھے مرحمت فرمایا۔ یہ کتاب حضرت امام زیدؒ کی حیات اور ان کی فقہ کے تعارف پر مشتمل ہے اور مصر کے نامور محقق الاستاذ ابوزہرہؒ کی تصنیف ہے۔ امام زید شہیدؒ حضرت امام زین العابدینؒ کے فرزند تھے، اہلِ تشیع سے منسوب ایک مستقل فرقہ ''زیدی'' کی نسبت انہی کی طرف کی جاتی ہے۔ اور زیدیوں کو اہلِ تشیع کا ایک فرقہ شمار کیا جاتا ہے لیکن وہ دیگر اہلِ تشیع سے مختلف ہیں، اسی لیے ایران کے دستور میں حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی فقہی مکاتبِ فکر کے ساتھ ساتھ زیدیوں کو بھی اقلیتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ استاد ابوزہرہؒ نے اس کتاب میں امام زیدؒ کی سوانح حیات اور دینی و علمی خدمات کے ساتھ ساتھ زیدی فرقے کے عقائد اور ان کی فقہ کے اہم پہلوؤں سے بھی متعارف کرایا ہے۔ میں نے ایک عرصہ قبل یہ کتاب بیرون ملک کسی لائبریری میں دیکھی تھی اور خواہش تھی کہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی ہو۔ اب یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ حضرت سید نفیس شاہ صاحب نے اسے اپنی نگرانی میں لاہور سے طبع کرا دیا ہے۔ انہوں نے اس کا ایک نسخہ اپنے دستخطوں کے ساتھ مجھے مرحمت فرمایا، یہ کتاب عربی میں ہے اور عربی جاننے والے حضرات اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

وہاں سے فارغ ہو کر ہم نے ایک اور بزرگ عالمِ دین مولانا عبد القیوم نیازی سے ملاقات کی اور واپس اپنے مرکز آ گئے۔

تبلیغی جماعت کا کام محدود یا مخصوص؟

مغرب کے بعد ہماری جماعت کے امیر نے مجھے بیان کے لیے کہا، میں نے دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور اس سلسلہ میں علماء کرام کی ذمہ داریوں پر گفتگو کی اور ایک بات کی بطور خاص گزارش کی کہ ہمارے ہاں علماء کرام کے حلقوں میں یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام بہت اچھا ہے لیکن بہت محدود ہے، اور تبلیغی جماعت کے لوگ اپنے محدود دائرے سے ہٹ کر دین کے دوسرے کاموں

کی توجہ نہیں دیتے، فلاں کام نہیں کرتے اور فلاں کام نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بات درست ہے لیکن میرے خیال میں ایک کام وہ ضرور کرتے ہیں کہ ایک عام آدمی کو، جس کا مسجد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا بہلا پھسلا کر کسی طرح مسجد میں لے آتے ہیں، اور ایک عام آدمی جو مولوی کے ساتھ کوئی تعلق اور انس نہیں رکھتا اسے گھیر گھار ہمارے پیچھے مقتدی بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ اس سے اگلا کام تو ہمارا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو یہ حضرات کسی نہ کسی طرح مسجد میں لے آتے ہیں ان کو سنبھالیں، ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں اور انہیں دین پر پختہ کرنے کے لیے ماحول فراہم کریں۔ اگر ہم تبلیغی جماعت کو مسجد و مدرسہ کی ریکروٹنگ ایجنسی سمجھ لیں اور اس سے اگلے کاموں کو خود سنبھال لیں تو میرے خیال میں ملک کے کسی عالمِ دین کو تبلیغی جماعت سے کوئی شکایت باقی نہیں رہے گی۔ البتہ اگر ہم اپنے حصے کا کام بھی انہی کے کھاتے میں ڈالتے رہیں اور اس سلسلہ میں خود کوئی کردار ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر ساری شکایات درست ہیں۔

بریلوی اور اہلِ حدیث مراکز کی حاضری

دوسرے روز اتوار کو ہم نے ملاقاتوں کا آغاز جامعہ رضویہ میں حاضری سے کیا اور معروف عالمِ دین مولانا مفتی غلام سرور قادری سے ملاقات ہوئی۔ مفتی صاحب نے اپنی گفتگو میں سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ مختلف مکاتبِ فکر بالخصوص دیوبندیوں اور بریلویوں کے درمیان مفاہمت اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے ہم سب کو کردار ادا کرنا چاہئے۔ میں نے گزارش کی کہ میں تو بحمد اللہ اس کے لیے ایک عرصہ سے متفکر اور سرگرم ہوں اس لیے وہ اس مقصد کے لیے جب بھی بلائیں گے مجھے ان شاء اللہ حاضر و مستعد پائیں گے۔

اس کے بعد ہم ماڈل ٹاؤن جے بلاک میں اہلحدیث مکتبِ فکر کے ایک علمی مرکز میں گئے جو ہمارے محترم دوست مولانا حافظ عبد الرحمن مدنی کی نگرانی میں کام کر رہا ہے مگر حافظ صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ فیملی سمیت حج بیت اللہ کے لیے گئے ہوئے ہیں اس لیے کسی سے ملاقات نہ ہو سکی۔

مرکزی جامع مسجد ماڈل ٹاؤن کی حاضری

ظہر کی نماز ہم نے ماڈل ٹاؤن کی مرکزی جامع مسجد میں ادا کی اور مولانا مفتی خلیل الرحمان حقانی سے

ملاقات کی، پھر مولانا وکیل احمد شیرانی کے گھر حاضری دی جو مجلسِ حیات المسلمین کے تحت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علوم و معارف کی اشاعت کے لیے مسلسل سرگرم عمل رہتے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے فرزند مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی سے ملاقات کی، اس کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو صاحبِ فراش ہیں، ان کی بیمار پرسی کی اور تبلیغی جماعت کے لاہور کے اجتماع کے پروگرام سے آگاہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب موجودہ حالات سے بہت زیادہ دل برداشتہ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہماری آزمائشیں بڑھتی جارہی ہیں تو فرمانے لگے کہ میرے خیال میں آزمائشوں کا دور ختم ہوگیا ہے، اب تو فیصلہ سنانے کا وقت آگیا ہے اور پاکستان کی حد تک تو ہمارے لیے خدا کا عذاب شاید مقدر ہوچکا ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی کے گھر حاضری

اس روز کی ملاقاتوں کا اختتام ہم نے جناب جاوید احمد غامدی کے گھر حاضری پر کیا۔ غامدی صاحب ہمارے محترم دوست ہیں، ان کے ساتھ اختلاف بھی چلتا رہتا ہے اور دوستی بھی چل رہی ہے۔ انہوں نے تبلیغی جماعت کی محنت کی تحسین کی اور کہا کہ وہ اس کی افادیت کے قائل ہیں بلکہ ایک دور میں اس میں وقت بھی لگا چکے ہیں۔ انہوں نے اس دور کے بعض دلچسپ واقعات سنائے۔ البتہ اس کام کو مزید بہتر اور مؤثر بنانے کے لیے وہ بہت سی تجاویز اور تحفظات رکھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ رفتہ رفتہ جماعت کے قائدین کو بھی ان امور کا احساس ہوتا جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ ان کے خیال میں تبلیغی جماعت نے صوفیاء کرام کے اس خانقاہی نظام کو باقی رکھا ہوا ہے جو مختلف حوالوں سے پریشان حال لوگوں کے لیے روحانی اور نفسیاتی تسکین کے مراکز ہوا کرتے تھے اور وہ وہاں جاکر سکون پایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ماہرینِ نفسیات کی عام ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ میں نے گزارش کی کہ میرا تاثر بھی یہی ہے اور میں تبلیغی جماعت کو ''موبائل خانقاہ'' اور مسجد و مدرسہ کی ''ریکروٹنگ ایجنسی'' سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔

ماڈل ٹاؤن لاہور میں مکاتبِ فکر کا مشترکہ عید اجتماع

عید کی چھٹیوں کے دو دن ماڈل ٹاؤن لاہور اور اس کے گرد و نواح کے ماحول میں خاصے مصروف

گزرے۔ بہت سے دینی مراکز میں حاضری ہوئی، مختلف بزرگوں سے ملاقات ہوئی اور متعدّد امور پر اہل دانش سے گفتگو کا موقع ملا، مگر سب سے زیادہ خوشی یہ معلوم کر کے ہوئی کہ لاہور کے ضلعی ناظم میاں عامر محمود کی کوشش سے گزشتہ چند برسوں سے ماڈل ٹاؤن کے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام نے عید کی نماز سب سے بڑی گراؤنڈ میں اکٹھے پڑھنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ صرف ایک مسجد کے خطیب صاحب کے سوا باقی سب علماء کرام عید کی نماز ایک امام کے پیچھے پڑھتے ہیں اور ماڈل ٹاؤن میں عید کا اجتماع واقعی عید کا اجتماع نظر آنے لگا ہے، اللہ تعالیٰ نظرِ بد سے بچائیں، آمین۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۲۴ جنوری ۲۰۰۶ء)

زکریا مسجد فیصل آباد کا سہ روزہ

(اس سال تبلیغی جماعت کے سہ روزہ کے لیے گوجرانوالہ کے ۲۵ کے لگ بھگ علماء کرام کی جماعت کی تشکیل زکریا مسجد، رفیق کالونی، فیصل آباد میں ہوئی، اس دوران ایک اجتماع سے خطاب۔)

بعد الحمد والصلوۃ۔ اللہ رب العزت کا بے پناہ احسان اور فضل ہے کہ اس نے ہم سب کو عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق دی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ نماز کے بعد ہمیں تھوڑی دیر کے لیے دین کی باتیں کہنے اور سننے کی غرض سے بٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس مل بیٹھنے کو قبول فرمائیں اور کچھ مقصد کی باتیں کہنے اور سننے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

دعوتِ دین کا عمل

ہماری یہاں حاضری کا مقصد خیر کے ایک کام میں شرکت اور خیر کا کام کرنے والوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنا ہے۔ دعوت کا یہ عمل ہماری دینی ذمہ داریوں میں سے بھی ہے اور ہماری ملی ضروریات میں سے بھی۔ اس لیے کہ پوری نسلِ انسانی جو اس وقت ساڑھے چھ ارب کے لگ بھگ انسانوں پر مشتمل ہے اس کے تمام افراد تک اسلام کی دعوت پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔

امتِ دعوت اور دائرۂ اسلام

پوری نسلِ انسانی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ دعوت ہے، جبکہ دنیا کے ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ مسلمان جناب رسول اللہؐ کی امتِ اجابت ہیں۔ امتِ دعوت تک دین کی دعوت پہنچانا امتِ اجابت کا فریضہ ہے، اور امتِ دعوت کو امتِ اجابت کے دائرے میں لانے کی محنت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ یہ کام آسمان سے فرشتوں نے آکر نہیں کرنا بلکہ ہم نے ہی کرنا ہے اور ہم اگر اس طرف

توجہ نہیں دیں گے تو ہم سے اس ذمہ داری اور اس کی ادائیگی کے بارے میں سوال ہوگا۔

امتِ اجابت اور دائرۂ اعمال

اور جیسے امتِ دعوت کو امتِ اجابت کے دائرے میں لانے کی کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے ایسے ہی امتِ اجابت کو دین کی طرف واپس لانے کی محنت بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے، کیونکہ آج بحیثیت امتِ مسلمہ ہم دین سے دور ہو چکے ہیں اور دین کے اعمال ہماری عملی زندگی سے نکل چکے ہیں۔ امت کا دین کی طرف واپس آنا اور دین کے اعمال کا ہماری عملی زندگیوں میں واپس آنا جہاں خود ہماری نجات وفلاح کے لیے ضروری ہے وہاں نسلِ انسانی کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اسی سے وہ ماحول پیدا ہوگا جو نسلِ انسانی کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے ناگزیر تقاضے کی حیثیت رکھتا ہے۔

دعوتِ اسلام کے تین تاریخی کردار

اسلام کے دورِ اول میں صدیوں تک جو لوگ مسلمان ہوتے رہے ہیں ان میں زیادہ تر لوگ مسلمانوں کے اعمال واخلاق اور دینی ماحول سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے ہیں۔

1. جنوبی ایشیا یعنی پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت اور اس پورے خطے میں اسلام کا تعارف اگرچہ مجاہدین اور جرنیلوں کے ذریعہ ہوا ہے،
2. لیکن اسلام کی دعوت اور کروڑوں لوگوں کے قبولِ اسلام کی بڑی وجہ حضرات صوفیاء کرام مثلاً حضرت سید علی ہجویریؒ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ جیسے عظیم بزرگوں کی اس خطہ میں آمد ہے جن کے طرزِ عمل، کردار، تقویٰ، اور دیانت سے متاثر ہو کر اس پورے خطے کی آبادی کی ایک بڑی تعداد نے اسلام کا کلمہ پڑھا ہے۔
3. بلکہ اس سے آگے مشرقی ایشیا کی طرف چلے جائیں تو انڈونیشیا، ملائیشیا اور ان ممالک میں اسلام کے تعارف اور اس کی دعوت کا بڑا ذریعہ مسلمان تاجر بنے ہیں جو تجارت کے لیے ان علاقوں میں گئے اور ان کے عمل وکردار اور دیانت وامانت کو دیکھ کر مقامی آبادی مسلمان ہوتی چلی گئی۔

اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ پوری نسل انسانی کو اسلام کی دعوت دینا ہمارا فریضہ ہے اور اس کے لیے امتِ مسلمہ کو دین کی طرف واپس لاکر اس دعوتِ اسلام کا ماحول پیدا کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ کیونکہ جب ہمارے ہاں دین کا ماحول نہیں ہوگا اور دنیا کے لوگ ہمارے اعمال و کردار سے متاثر نہیں ہوں گے اس وقت تک انہیں اسلام کی مؤثر طور پر دعوت دینا مشکل ہوگا۔ چنانچہ دعوت و تبلیغ کے اس عمل کا بنیادی مقصد میرے نزدیک یہی ہے جو آج دنیا بھر میں پھیلتا جا رہا ہے کہ امت کو دین کی طرف واپس لاکر دعوتِ اسلام کا وہ ماحول پیدا کیا جائے جو پوری نسلِ انسانی کے لیے نمونہ اور کشش کا باعث بنے۔

اس تمہیدی گزارش کے بعد میں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، ایک اس مجمع میں شریک عام حضرات کے لیے ہے جبکہ دوسری بات علماء کرام کے حوالہ سے عرض کروں گا۔

انسان کے وجود کا مقصد کیا ہے؟

سب حضرات کے لیے اجتماعی بات تو میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں بحیثیت انسان اپنا مقصدِ وجود جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی بے مقصد نہیں ہوتی، ہر چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی مقصد اور فنکشن ہوتا ہے۔ ہم جب بھی کوئی نئی چیز دیکھتے ہیں تو دو تین سوال بے ساختہ طور پر ہمارے ذہنوں میں ابھر آتے ہیں:

1. یہ چیز کیا ہے؟
2. یہ کس کام اور مقصد کے لیے ہے؟
3. اسے کس نے بنایا ہے؟

مثال کے طور پر میرے سامنے یہ مائیک ہے جس کے ذریعے میں آپ حضرات سے مخاطب ہوں۔ اسے دیکھ کر میرا ذہن یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ یہ کس چیز سے بنا ہوا ہے، اس کے پرزے کتنے ہیں اور وہ کس طرح کام کرتے ہیں۔ پھر میں یہ دیکھوں گا کہ اسے کس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ یہ کس نے بنایا ہے۔ یہ سارے سوالات فطری ہیں ان کے لیے کسی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں پڑتی اور یہ خود بخود بے ساختہ طور پر ذہن کی سکرین پر ابھر آتے ہیں۔

سوال یہ کہ اگر میں ماچس کی ایک تیلی کے بارے میں یہ سب کچھ جاننے کی کوشش کرتا ہوں اور اسے

ضروری سمجھتا ہوں تو خود اپنے بارے میں ان سوالات کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کرتا؟ ایک انسانی وجود اور ڈھانچہ اس کائنات کی سب سے پیچیدہ مشینری ہے جو صدیوں سے میڈیکل سائنس کا موضوع ہے اور اسے ہزاروں بار چیر پھاڑ کر کے اس کی ہر چیز کا بار بار تجزیہ کیا گیا ہے، لیکن ابھی تک کوئی شخص یا طبقہ اس دعویٰ کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ اس مشینری کو پوری طرح سمجھ لیا گیا ہے اور اب اس کے متعلق مزید کسی تحقیق و تجزیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ظاہر بات ہے کہ اگر میرے جیب میں لگے ہوئے قلم کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے تو خود میرے وجود کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے، اور مجھے اپنے آپ کو اور اپنی زندگی کو بامقصد بنانے کے لیے اپنے مقصدِ وجود سے آگاہی حاصل کرنا ہوگی، اس کے بغیر میں ایک بامقصد اور کامیاب انسان کے طور پر زندگی بسر نہیں کر سکوں گا۔ مگر صورتحال یہ ہے کہ ہمارے آج کے تمام علوم و فنون مجھے خود میرے بارے میں ان سوالات کا جواب نہیں دے رہے۔ مثلاً میڈیکل سائنس یہ بحث تو کرتی ہے کہ انسانی باڈی کیا ہے؟ اس کے اعضاء و اجزاء کیا ہیں؟ اس کا نیٹ ورک کیا ہے؟ اور اس کا میکنزم کیا ہے؟ ان سوالات پر میڈیکل سائنس نے بہت کام کیا ہے اور بہت سی مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ لیکن یہ کہ کائنات کی یہ سب سے پیچیدہ مشینری کس نے بنائی ہے؟ اور کس مقصد کے لیے بنائی ہے؟ ان دونوں سوالوں کو میڈیکل سائنس سرے سے ٹچ ہی نہیں کرتی بلکہ آج ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھائے جانے والے علوم و فنون میں سے کوئی بھی ان سوالات کو اپنا موضوع اور سبجیکٹ قرار نہیں دیتا۔

جبکہ ان سوالات کا جواب صرف وحی الٰہی سے ملتا ہے، آسمانی تعلیمات سے ملتا ہے اور قرآن و حدیث سے ملتا ہے۔ اس طرح اپنا مقصدِ وجود معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس آسمانی تعلیمات اور احکام خداوندی کی طرف رجوع کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور دعوت کا یہ پہلو بھی بہت زیادہ اہمیت اور توجہ کا حامل ہے کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دنیا بھر کے انسانوں کو یہ دعوت دی جائے کہ وہ اگر بحیثیت انسان ایک بامقصد اور کامیاب زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانیں، اپنے مقصدِ تخلیق کو جاننے کی کوشش کریں، اور یہ وحی الٰہی اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے ہی معلوم ہوگا جس کا محفوظ ترین ذخیرہ آج کی دنیا کے پاس صرف قرآن کریم اور نبی اکرمؐ

کی حدیث وسنت کی صورت میں موجود ہے۔

آج کے دور میں دینداری کا تناسب

میں علماء کرام سے بھی ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سے قبل ایک واقعہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ میرا ذوق اور معمول ہے کہ دنیا کے دوسرے مذاہب کے مذہبی راہنماؤں سے ملاقات کی کوشش کرتا ہوں اور معروضی حالات و مسائل کے حوالے سے ان سے گفت و شنید کرتا ہوں۔ غالباً ۱۹۸۸ء کی بات ہے کہ امریکہ کے شہر اٹلانٹا میں عیسائیوں کے بیپٹسٹ فرقہ کے ایک مذہبی پیشوا سے میری بات چیت ہوئی، میرے گکھڑ کے ایک دوست افتخار رانا نے جو وہاں مقیم ہیں اس ملاقات کا اہتمام کیا تھا اور وہی درمیان میں ترجمان بھی تھے۔

میں نے پادری صاحب سے سوال کیا کہ آپ کے اردگرد سوسائٹی میں زنا، عریانی اور سود خوری جیسے جرائم کے حوالے سے جو فضا موجود ہے اس کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر کیا ہے اور آپ اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب کچھ غلط ہو رہا ہے، بائبل کے احکام کی خلاف ورزی ہے، اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات سے بغاوت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک مذہبی راہنما کے طور پر آپ اس کے بارے میں کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اتوار کو چرچ میں بائبل کا درس دیتا ہوں اور اس میں لوگوں کو یہ باتیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نے گزارش کی کہ آپ کے شہر کی آبادی کتنی ہے؟ فرمایا کہ ایک ملین (دس لاکھ) کے لگ بھگ ہوگی۔ میں نے سوال کیا کہ اتوار کے درس میں کتنے لوگ شریک ہوتے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ڈیڑھ دو سو کے لگ ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ دس لاکھ کی آبادی میں ہفتہ میں ایک بار ڈیڑھ دو سو افراد کو درس دے کر کیا آپ مطمئن ہیں کہ آپ اپنی ذمہ داری پورے طور پر ادا کر رہے ہیں، اور کیا آپ قیامت کے دن حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے پیش ہونے پر انہیں اپنے اس عمل سے مطمئن کر سکیں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔

اس کے بعد اور بہت سی باتیں ہوئیں جن کا تذکرہ یہاں ضروری نہیں ہے لیکن اس سوال و جواب کے حوالے سے جو بات میں علماء کرام کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہاں سے واپس ہونے کے بعد میرے ذہن میں سوال ابھرا، اور آج بھی جب اس واقعہ کا تذکرہ کرتا ہوں تو یہ سوال ذہن میں خود بخود پیدا ہو جاتا ہے کہ پادری صاحب سے تو میں نے یہ ساری باتیں پوچھ لیں لیکن اگر یہی

سوالات مجھ سے کیے جائیں تو میرا جواب کیا ہوگا؟ اور کیا میں اپنے اردگرد معاشرے کے عمومی ماحول کو دیکھ کر اپنی کارکردگی پر اپنے ضمیر کو مطمئن پاتا ہوں؟ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیشی پر ان سوالات کا جواب دے پاؤں گا؟ مجھے اور سب علماء کرام کو اس بات کی فکر کرنی چاہیے، ہمارے اردگرد جو کچھ ہو رہا ہے اور ہم اپنے محدود دائروں میں جو کچھ کر رہے ہیں اس کا موازنہ کرنا ہم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری ہے اور ہمیں اس سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

اصل کامیابی اور نجات

اس کے ساتھ ایک بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نجات اور کامیابی دنیا کے ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کا مقصد ہے اور ہر شخص اپنے عقیدہ اور سوچ کے مطابق اس کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس حوالے سے دو پہلو ہماری خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ ایک یہ کہ کامیابی کہتے کس کو ہیں؟ اور دوسرا یہ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب و سزا سے بچنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

1. ہمارے ہاں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کامیابی اور نجات کا مطلب جنت میں جانا ہے اور جو شخص جنت میں چلا جائے گا وہ کامیاب ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی شامل کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اس مسلمان اور کلمہ گو کے ساتھ جنت کا وعدہ کیا ہے جو شرک سے بچ کر رہے گا۔ بلکہ جناب نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے زندگی میں ایک بار بھی کلمہ پڑھا ہے وہ بالآخر جنت میں ضرور جائے گا۔ اس سے عام ذہن یہ بنتا ہے کہ جنت میں تو بالآخر جانا ہی ہے اس لیے زیادہ مشقت اور محنت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس مغالطے کو دور کرنا بہت ضروری ہے، اس لیے کہ قرآن کریم نے صرف جنت میں داخلہ کو کامیابی نہیں بتایا بلکہ اس سے پہلے دوزخ سے بچنا بھی لازمی قرار دیا ہے۔

فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز۔ (آل عمران ۱۸۵)

”پھر جو کوئی دوزخ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا“۔

اس لیے اصل کامیابی یہ ہے کہ آدمی دوزخ میں جانے سے بچے اور دوزخ میں جائے بغیر سیدھا جنت میں جائے۔ اس لیے کہ دوزخ کی دردناک سزا بھگت کر جنت میں جانا کیسی کامیابی

ہوگی؟مسلم شریف کی ایک روایت کے مطابق دوزخ سے ہو کر جنت میں جانے والوں کا تعارف جنت میں بھی دوزخ کے حوالے سے ہو گا اور انہیں "جہنمیین" کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس لیے فوز و فلاح کا یہ قرآنی تصور عام کرنے کی ضرورت ہے کہ اصل کامیابی یہ ہے کہ آدمی دوزخ میں جانے سے محفوظ رہے اور سیدھا جنت میں جائے۔

2. دوسرا پہلو یہ ہے کہ جرائم اور اعمالِ شر پر گرفت اور سزا و عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے وہ جرائم کی سزا دنیا میں بھی دیتے ہیں اور آخرت میں بھی دیتے ہیں۔ مگر دنیا کی سزا اور آخرت کی سزا کے ضابطے مختلف ہیں۔ انسان کا ذاتی طور پر نیک ہونا اور جرائم سے بچنا آخرت کی سزا سے بچنے کے لیے تو کافی ہے لیکن دنیا کی سزا اور عذاب سے بچنے کے لیے ذاتی نیکی کافی نہیں ہے، بلکہ اپنے ارد گرد نیکی کا ماحول قائم رکھنا اور سوسائٹی کے دوسرے لوگوں کو گناہ سے روکنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو کیونکہ جب معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی عام ہو جائے گی اور کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہو گا تو خدا کا عذاب پھر سب پر یکساں نازل ہو گا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا اس عمومی عذاب میں نیک اور صالح لوگ بھی ہلاک ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں دنیا کے عذاب میں وہ بھی شریک ہوں گے، البتہ آخرت میں سب لوگ اپنے اپنے ایمان اور اعمال پر اٹھائے جائیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی نیکی اور اعمال آخرت میں تو انسان کی نجات کے لیے کافی ہیں لیکن دنیا وی عذاب سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔

معاشرہ کی قوتِ مدافعت

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مثال یوں سمجھ لیجیے جیسے انسان کے جسم میں قوتِ مدافعت ہے جو بیماریوں کو روکتی رہتی ہے۔ اگر یہ قوتِ مدافعت قائم ہے تو انسان بڑی سے بڑی بیماری کا مقابلہ کر لیتا ہے لیکن اگر قوتِ مدافعت کمزور پڑ جائے تو معمولی سی بیماری کے سامنے بھی بے بس ہو جاتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ ہر ملک میں ماحولیات کا ایک محکمہ ہوتا ہے کہ جس کے افراد ہوا، پانی، زمین وغیرہ کا جائزہ لیتے

رہتے ہیں اور بتاتے رہتے ہیں کہ کون کون سی بیماریوں کا خطرہ ہے اور ان خطرات کو دور کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اگر خدانخواستہ کسی شہر میں ماحولیات کے ماہرین ہڑتال کر دیں یا اپنا کام چھوڑ دیں تو چار چھ ماہ کے بعد اس شہر کے لوگوں کا کیا حشر ہو گا؟ اور اگر ان کی غفلت سے کوئی وبا پھوٹ پڑی تو جہاں عام شہری اس کا شکار ہوں گے وہاں وہ ماحولیات والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے اور ان کی بے پروائی سے پھیلنے والی بیماری ان کے گھروں کو بھی لپیٹ میں لے لے گی۔

بزرگان محترم! دعوت و تبلیغ کے اس عمل و محنت کے ماحول میں دو تین دن گزارنے کی نیت سے یہاں حاضری ہوئی ہے اور اسی کار خیر کی اہمیت کے بارے میں کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی ہیں، ان میں جو باتیں صحیح ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عمل کی ہم سب کو توفیق دیں اور اگر کوئی بات غلط ہو گئی ہے تو اصلاح کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(زکریا مسجد، رفیق کالونی، فیصل آباد- ادسمبر ۲۰۱۰ء)

مسجد ابراہیم شیخوپورہ کا سہ روزہ

ایک عرصہ سے عید الاضحیٰ کی تعطیلات میں تبلیغی جماعت کے ساتھ سہ روزہ لگانے کا معمول ہے، اس سال گوجرانوالہ کے تبلیغی مرکز کی طرف سے مسجد ابراہیم سول لائن شیخوپورہ میں تشکیل ہوگئی اور گوجرانوالہ کے ۲۵ کے لگ بھگ علماء کرام اور چار پانچ دیگر احباب کے ساتھ عید سے پہلا جمعہ، ہفتہ اور اتوار تبلیغی جماعت کے ساتھ گزارا۔ دیگر معمول کی سرگرمیوں کے علاوہ اتوار کو ضلع کے علماء کرام کا جوڑ رکھا گیا تھا جس میں کچھ معروضات پیش کرنے کا موقع ملا، ان گزارشات کا خلاصہ نذر قارئین ہے۔

بعد الحمد والصلوۃ۔ تبلیغی جماعت کے دوستوں کا شکر گزار ہوں کہ ضلع شیخوپورہ کے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد سے اجتماعی ملاقات کا موقع فراہم کیا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر سے نوازیں اور ہماری اس ملاقات کو دارین کے لیے سعادت کا ذریعہ بنائیں، آمین۔ دعوت و تبلیغ کے اس ماحول میں علماء کرام کو تین چار اہم امور کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔

عالمی ماحول میں اسلام کی دعوت

ایک یہ کہ اس وقت دنیا میں انسانی آبادی سات ارب کے لگ بھگ ہوگئی ہے۔ گزشتہ ہفتے ایک اخبار میں ایک نوزائیدہ بچے اور اس کی ماں کا فوٹو نظر سے گزرا جس کے نیچے لکھا تھا کہ سات اربواں بچہ اپنی ماں کے ساتھ ہسپتال میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں بسنے والے انسانوں کی تعداد سات ارب ہوگئی ہے۔ یہ سات ارب انسان جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ دعوت ہیں اور ان سب تک اسلام کی دعوت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف و پیغام پہنچانا ضروری ہے۔ جو ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے ہی پہنچانا ہے، آسمان سے فرشتے تو اس کام کے لیے نہیں آئیں گے اور نہ ہی کسی اور مخلوق کو یہ کام کرنا ہے۔ یہ بہر حال ہمارا ہی فریضہ ہے اور امت میں سب سے زیادہ یہ ذمہ داری علماء کرام پر عائد ہوتی ہے۔

میں اس حوالے سے دنیا کے موجودہ معروضی تناظر کے صرف ایک پہلو کی طرف آپ حضرات کی توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان سات ارب انسانوں کو اپنے اپنے مذہب میں شامل کرنے کے لیے عالمی سطح پر دو بڑے مذاہب میں مقابلہ ہے۔ ایک طرف ہمارا یہ عزم ہے کہ پوری دنیا کو اسلام کے دائرے میں لانا ہے اور اس کے لیے مختلف افراد، طبقات اور حلقے سرگرم عمل ہیں۔ جبکہ دوسری طرف مسیحی مشینریاں یہی عزم لے کر مختلف ممالک میں کام کر رہی ہیں کہ ساری نسلِ انسانی کو مسیحیت کے دائرے میں لانا ان کی ذمہ داری ہے۔ دونوں کا فوکس سات ارب انسانوں پر ہے اور پوری نسلِ انسانی ان کی دعوت کا دائرہ ہے۔ ان دو کے علاوہ کسی اور مذہب کے حضرات اس مقصد کے لیے اس درجے میں متحرک نہیں ہیں اس لیے سات ارب انسانوں کو اپنے اپنے مذہب میں شامل کرنے کے لیے اصل مقابلہ اسلام اور مسیحیت میں جاری ہے۔

اس مقابلہ کی ایک تازہ جھلک یہ ہے کہ سوڈان جو مسلم اکثریت کا ملک چلا آرہا ہے اسے تقسیم کرنے اور اس کے ایک حصے کو مسیحیت کے نام پر الگ ملک بنانے کا آج سے پون صدی قبل منصوبہ بنایا گیا تھا جہاں مسیحیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بستی ہے مگر ان کی اس خطے میں اکثریت نہیں تھی۔ یہ اکثریت حاصل کرنے کے لیے مسیحی مشنریوں نے اس علاقے میں آباد بت پرست قبائل کو مسیحی بنانے کا فیصلہ کیا اور مسیحی مشنریوں اور پادریوں نے کم و بیش نصف صدی کی مسلسل اور سخت محنت کے ساتھ ان بت پرست قبائل کو مسیحیت کے دائرے میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی، اور اس طرح اس خطے میں مسیحی آبادی اکثریت میں تبدیل ہوگئی۔ جس کے بعد وہاں اقوامِ متحدہ کو درمیان میں لا کر ریفرنڈم کرایا گیا اور سوڈان کو تقسیم کر کے ایک الگ مسیحی ریاست قائم کر دی گئی۔ اس سے قبل انڈونیشیا میں بھی یہی عمل ہوا ہے اور مشرقی تیمور کے نام سے ایک الگ مسیحی ریاست قائم ہو چکی ہے۔

یہ ساری محنت مشنریوں اور پادریوں کی ہے، اس لیے میں علماء کرام سے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہمیں بھی سوچنا چاہیے اور اس کا سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لینا چاہیے کہ کیا اس طرح کی کوئی محنت ہمارے دینی حلقوں اور علماء کرام کے طبقے میں بھی پائی جاتی ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو ہمیں اس سلسلے میں اپنی ذمہ داری اور اس کے بارے میں مسئولیت کے پہلو پر ضرور سوچنا چاہیے۔

داخلی ماحول میں اعمال کی دعوت

دوسری گزارش یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کا دوسرا دائرہ امتِ مسلمہ کی اصلاح اور مسلمانوں کو دین کے ماحول کی طرف واپس لانے کا ہے۔ عام مسلمان کا دین کے ساتھ تعلق قائم ہو، مسجد کے ساتھ اس کی وابستگی ہو، اور مسجد کی آبادی اور معاشرتی کردار ماضی کی طرح ہمارے اجتماعی ماحول کا حصہ بنے، یہ بھی ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کہ عام مسلمان کا جب تک دین کے ساتھ عملی تعلق قائم نہیں ہوگا اور مسجد کی رونق اور آبادی کے ساتھ ساتھ اس کا حقیقی معاشرتی کردار بحال نہیں ہوگا اس وقت تک امتِ مسلمہ، مسلم ممالک اور ان کی سوسائٹیوں کو موجودہ بحران سے نجات نہیں ملے گی۔ یہ صرف ہمارے ایمان اور جذبات کی بات نہیں ہے بلکہ دور زوال کے تلخ تجربات و مشاہدات بھی اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص زبان سے تو کہہ رہا ہے کہ دین کی طرف واپسی کے بغیر مسلمانوں کی مشکلات دور نہیں ہوں گی اور ان کے مسائل حل نہیں ہوں گے لیکن اسی سوچ کو دائرہ عمل میں لانے کے لیے عملی طور پر ہم کیا کر رہے ہیں؟

تبلیغی جماعت کے دعوت و تبلیغ کے اس عمل کو میں امتِ مسلمہ کی اصلاح، عام مسلمانوں کو دین کی طرف واپس لانے اور مسجد کی رونق و کردار کو بحال کرنے کی جدوجہد سے تعبیر کرتا ہوں، جو بہر حال اپنے دائرے میں دنیا بھر میں مسلسل آگے بڑھ رہی ہے، اور اس کے اثرات و ثمرات بھی پوری دنیا میں محسوس کیے جا رہے ہیں۔ میری نظر میں تبلیغی جماعت کا بنیادی دائرہ کار یہی ہے کہ

- وہ ایک عام مسلمان کو، جس کا مسجد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، گھیر گھار کر مسجد میں لے آتی ہے۔
- وہ عام مسلمان جو مولوی کے بارے میں اکثر بدگمانیوں کا شکار رہتا ہے اسے بہلا پھسلا کر مولوی کے پیچھے نماز کے لیے کھڑا کر دیتی ہے۔
- اور وہ عام مسلمان جو دین کے بنیادی عقائد اور اعمال سے واقفیت نہیں رکھتا اسے سہ روزہ، چلہ اور سال لگوا کر کلمہ، نماز، حلال و حرام، اخلاقیات اور دیگر ضروریاتِ دین کی کچھ نہ کچھ تعلیم دے دیتی ہے۔

اس سے زیادہ میں تبلیغی جماعت سے اور کسی کام کا تقاضہ نہیں رکھتا اور نہ ہی دین کے کسی اور شعبے کا

کام نہ کرنے پر تبلیغی دوستوں سے مجھے کوئی شکوہ ہے۔

تبلیغی جماعت کی محنت اور علماء کرام کی ذمہ داری

اس سے اگلا کام ہمارا یعنی علماء کرام کا ہے لیکن یہ کام ہم تبلیغی جماعت کے ساتھ فاصلہ قائم رکھ کر نہیں کرسکتے۔ اس کے لیے ہمیں تبلیغی جماعت کی صفوں میں شامل ہونا ہوگا اور باہمی محبت وتعاون کے ساتھ اگلے اصلاحی وتعلیمی مراحل کی صورت گری کرنا ہوگی۔ میری علماء کرام سے ہمیشہ گزارش ہوتی ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کے ساتھ تعلق قائم رکھیں، کچھ نہ کچھ وقت دیا کریں، میں خود سال میں ایک سہ روزہ پابندی کے ساتھ صرف اس غرض سے لگایا کرتا ہوں کہ اس سے تبلیغی جماعت کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے، اس کی سرگرمیوں سے آگاہی رہتی ہے، اور دینی کاموں میں باہمی تعاون کے راستے کھلتے ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام کو میں تلقین کیا کرتا ہوں کہ وہ فراغت کے بعد تبلیغی جماعت کے ساتھ سال لگائیں اور یا کسی کامل شیخ کے ساتھ روحانی واصلاحی تربیت کا عملی تعلق قائم کریں۔ اس کے بغیر وہ اس علم کی خدمت اور قدر نہیں کرسکیں گے جو انہوں نے آٹھ دس سال میں محنت کرکے حاصل کیا ہے۔

تبلیغی جماعت کے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے فضلائے درسِ نظامی کو ایک سال لگانا ہوتا ہے۔ میں اسے ان کا ''ہاؤس جاب'' کہا کرتا ہوں، جس طرح ڈاکٹر صاحبان تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد خالصتاً ہسپتال کے ماحول میں ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں ایک سال ہاؤس جاب کرتے ہیں اور پڑھے ہوئے علم کو عمل کے دائرے میں لانے کی کوشش کرتے ہیں، اسی طرح فارغ التحصیل علماء کرام کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ تعلیمی اور اصلاحی ماحول میں کم از کم ایک سال تجربہ کار حضرات کی راہنمائی میں گزاریں۔ اور وہ تبلیغی جماعت کے ساتھ سال لگانے کی صورت میں ہو تو بھی ٹھیک ہے اور اگر کسی کامل شیخ اور تجربہ کار استاذ کی نگرانی میں ہو تو بھی بات بن جائے گی۔

تعلیمی اہداف پر توجہ کی ضرورت

علماء کرام سے تیسری گزارش میں یہ کرنا چاہوں گا کہ ہمیں اپنے تعلیمی کام کے اہداف اور دائرے پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ فقہاء کرام نے دینی تعلیم کے دو درجے قائم کیے ہیں: ایک فرض عین اور

دوسرا فرض کفایہ۔

فرضِ کفایہ کا دائرہ

معاشرے کو علماء کرام، حفاظ، قراء، مفتیان، ائمہ، خطباء اور مدرسین فراہم کرنا فرضِ کفایہ کے دائرے کی چیز ہے جسے ہمارے دینی مدارس انتہائی احسن طریقے سے پورا کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک مقتدر شخصیت نے کچھ عرصہ قبل کہا کہ ہم مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور دینی مدارس اس میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہے، تو میں نے ایک مضمون میں لکھا کہ محترم! اس کا شکوہ ہم سے نہ کیجئے بلکہ یونیورسٹیوں اور کالجوں سے کیجئے، اس لیے کہ ہم نے کبھی اس کی ذمہ داری قبول نہیں کی۔ ہم سائنس اور ٹیکنالوجی کے خلاف نہیں ہیں بلکہ اسے انتہائی ضروری سمجھتے ہیں لیکن ہم نے سوسائٹی کو ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، وکیل، ٹیکنوکریٹ اور بیوروکریٹ فراہم کرنے کی ذمہ داری کبھی اپنے سر نہیں لی، یہ ذمہ داری جن اداروں نے سنبھالی اور اس کے لیے انہیں بھاری بجٹ ملتے رہے، اس کے بارے میں ان سے دریافت کیجئے۔

ہم نے یعنی دینی مدارس نے صرف یہ ذمہ داری اٹھائی تھی کہ سوسائٹی میں مسجد اور مدرسہ کا نظام قائم رہے گا اور ہم اس کے لیے رجال کار فراہم کرتے رہیں گے۔ چنانچہ سوسائٹی کو مولوی، امام، خطیب، قاری، حافظ، مدرس، مفتی اور مؤذن یہی مدارس فراہم کر رہے ہیں، اس میں اگر کسی جگہ کوتاہی ہے تو ہم سے پوچھیے اس کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔ اگر کسی جگہ مسجد بنی ہے اور خطیب و امام نہیں مل رہے، مدرسہ بنا ہے اور مدرس نہیں مل رہے، حافظ و قاری کی ضرورت ہے اور وہ میسر نہیں آ رہے، دارالافتاء قائم ہوا اور مفتی نہیں مہیا ہو رہے، تو اس کا شکوہ ہم سے کیجئے اور اس کا مورد الزام ہمیں ٹھہرائیے۔ اس حوالے سے تو ہم بحمد اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ خود کفیل ہیں بلکہ بڑے ایکسپورٹر بھی ہیں کہ دنیا کے کسی حصے میں حافظ و قاری اور مدرس و مفتی کی ضرورت ہو ہم مہیا کرتے ہیں اور دنیا کے کم و بیش ہر علاقے میں پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش کے دینی مدارس کے پڑھے ہوئے افراد آپ کو دینی تعلیم کی خدمت سرانجام دیتے ہوئے ملیں گے۔ اس لیے اس حوالے سے تو بحمد اللہ تعالیٰ دینی مدارس کا کردار بہت شاندار اور قابلِ فخر ہے لیکن میں اس کے دوسرے پہلو کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

فرضِ عین کا دائرہ

دینی تعلیم کا جو فرضِ عین کا درجہ ہے کہ ہر مسلمان ضروریاتِ دین سے واقف ہو اور اسے عقیدہ، عبادات، فرائض، معاملات، اخلاقیات اور حلال و حرام کی وہ ضروری تعلیم فراہم کی جائے جو اس کے لیے ہر صورت میں ضروری ہے، اس کے لیے ہمارا کردار کیا ہے اور ہم اس سلسلہ میں کیا کر رہے ہیں؟

ظاہر بات ہے کہ یہ ذمہ داری بھی علماء کرام ہی کی بنتی ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے ضروریاتِ دین کی اس تعلیم کا، جو فرضِ عین کا درجہ رکھتی ہے، اہتمام کریں اور اس کا بھی اسی طرح کا کوئی مربوط نظم قائم کریں جیسا کہ فرضِ کفایہ کے دائرے کی تعلیم کے لیے قائم و موجود ہے۔ ہم نے دراصل اس بات کو کافی سمجھ رکھا ہے کہ جو لوگ مسجد میں ہمارے پاس آجاتے ہیں، جمعہ پڑھ لیتے ہیں، درس سن لیتے ہیں، مسئلہ پوچھ لیتے ہیں یا کسی دینی پروگرام میں شرکت کر لیتے ہیں، ان تک دینی بات اور تعلیم پہنچا کر ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات کافی نہیں ہے، وہ لوگ جو کسی بھی حوالے سے مسجد میں آجاتے ہیں، وہ ان لوگوں سے بہت کم ہیں جو مسجد میں کسی حوالے سے بھی نہیں آتے اور جن کا ہمارے ساتھ سرے سے کوئی جوڑ نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اپنے دائرے سے باہر سمجھتے ہوئے ہم نے اپنی تمام تر سرگرمیوں کو مسجد میں خود آجانے والوں تک محدود کر رکھا ہے، جو درست طرز عمل نہیں ہے اور میں اس کے بارے میں ایک حدیثِ نبویؐ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ ''الوحدان'' میں ان صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کیا ہے جن سے صرف ایک روایت منقول ہے۔ ان میں حضرت ابزی خزرعیؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ

- ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنے پڑوسیوں سے دین کی سمجھ حاصل نہیں کرتے، علم نہیں سیکھتے اور دین کا فہم حاصل نہیں کرتے؟
- اور ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم نہیں دیتے، مسائل و احکام نہیں سمجھاتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے؟

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دونوں طبقے اپنا رویہ درست کر لیں ورنہ میں اس دنیا میں انہیں سزا دوں گا۔ اس جملے سے بعض فقہاء کرام نے یہ استدلال کیا ہے کہ حکومت کو جبری تعلیم

کا حق حاصل ہے۔ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد سن کر مدینہ منورہ کے عوامی حلقوں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ حضورؐ نے یہ بات عمومی طور پر کی ہے یا کسی خاص گروہ کو اس کا ہدف بنایا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے محسوس کیا کہ اشعریوں کے محلے میں یہ کیفیت دکھائی دیتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور ان کا خاندان اپنا ایک الگ محلہ بسا کر اس میں قیام پذیر ہے جبکہ ان کے اردگرد کاشتکاروں اور باغبانوں کی آبادی ہے جن کا تعلیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اشعریوں کا خاندان قراء اور فقہاء کا خاندان کہلاتا تھا جبکہ اردگرد کے عام لوگ دینی تعلیمات سے بے خبر تھے اور ان کا آپس میں تعلیم و تعلم کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

یہ بات مدینہ منورہ میں عام ہونے لگی کہ جناب رسول اکرمؐ نے یہ بات اشعریوں کے بارے میں فرمائی ہے۔ یہ بات اشعریوں تک پہنچی تو انہیں تشویش ہوئی اور ان کا ایک وفد تصدیق کے لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے ان کی بات سن کر نہ صرف اس عوامی تاثر کی تصدیق فرمائی بلکہ اشعریوں کے وفد کے سامنے وہ جمعہ والی بات ایک بار پھر دہرا دی۔ اس پر اشعریوں نے پوچھا ''انعاقب بتقصیر غیرنا؟'' کیا دوسروں کے قصور پر ہمارا مواخذہ کیا جائے گا؟ جناب نبی اکرمؐ نے اس پر ''نعم'' ہاں فرما کر اس کی توثیق کر دی۔ جس سے فقہاء کرام نے یہ اصول اخذ کیا کہ پڑھنا اور پڑھانا مشترک ذمہ داری ہے، جس طرح اَن پڑھ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ پڑھے لکھے لوگوں کو تلاش کر کے ان سے تعلیم حاصل کریں، اسی طرح پڑھے لکھے لوگوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اَن پڑھوں سے رابطہ کر کے انہیں دینی تعلیم سے آراستہ کریں اور علمِ دین کو عام کرنے میں کردار ادا کریں۔ اس پر اشعریوں نے عرض کیا کہ ''فامھلنا سنة'' جس پر آنحضرتؐ نے انہیں ایک سال کی مہلت دی اور اشعریوں نے پورا سال لگا کر اس کوتاہی کی تلافی کر دی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اس کے ساتھ ہی ایک اور واقعہ بھی اس سلسلہ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ غالباً ۱۹۸۸ء میں امریکہ کے شہر اٹلانٹا میں بپٹسٹ فرقہ کے ایک پادری صاحب سے میری گفتگو ہوئی، میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے معاشرے میں زنا، سود، شراب، عریانی اور ہم جنس پرستی کا جو ماحول بنا ہوا ہے، آپ اسے کیا سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ گناہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی خلاف ورزی

ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس سلسلہ میں کیا کر رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ اتوار کو چرچ میں بائبل کا درس دیتا ہوں اور لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ درس میں کتنے لوگ آتے ہیں؟ کہا کہ ڈیڑھ دو سو افراد ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اٹلانٹا کی ایک ملین آبادی میں ہفتے میں ایک بار سو دو سو افراد کے سامنے درس دے کر کیا آپ اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور کیا آپ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش ہونے پر اپنی اس کارکردگی سے انہیں مطمئن کر سکیں گے؟ پادری صاحب نے فرمایا کہ نہیں لیکن میں اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتا ہوں؟

یہ واقعہ آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پادری صاحب سے تو میں نے سوال کر دیا لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ یہی سوال اگر مجھ سے کیا جائے تو اس کا میرے پاس کیا جواب ہوگا؟ اس لیے یہ سوال اب آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ ہم سب کو مل جل کر اس نازک سوال کا جواب تلاش کرنا چاہیے۔

پادری صاحب کی بات چلی ہے تو ایک اور پادری صاحب سے ملاقات کا قصہ بھی عرض کر دیتا ہوں۔ چودہ پندرہ سال قبل کی بات ہے کہ برطانیہ کے شہر ٹونگھم میں مولانا محمد عیسیٰ منصوری، مولانا رضاء الحق اور حاجی عبد الرحمان (آئرش نومسلم) کے ساتھ پروگرام بن گیا اور ہم نے ٹونگھم کے ایک پادری صاحب سے ملاقات کی۔ میرا سوال ان سے بھی یہی تھا کہ مغربی معاشرے میں زنا، شراب، سود، فحاشی اور عریانی کی جو یلغار ہے اس کو کہیں بریک لگنے کا کوئی امکان ہے؟ ان کا جواب نفی میں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ لوگ اس سلسلہ میں کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتے بلکہ ہم آپ لوگوں کی طرف دیکھ رہے ہیں اس لیے کہ اس کو روکنے کے لیے جس روشنی کی ضرورت ہے اس کی چمک ہمیں آپ لوگوں کی آنکھوں میں نظر آ رہی ہے۔ تب سے میں اس سوچ میں ہوں کہ لوگوں کی ہم سے کیا توقعات ہیں اور ہم کن کاموں میں پڑے ہوئے ہیں۔

زندگی کا ایک اور تجربہ اور مشاہدہ عرض کرنے میں بھی شاید کوئی حرج نہ ہو کہ ایک دفعہ لندن میں مولانا محمد عیسیٰ منصوری، مولانا مفتی برکت اللہ اور راقم الحروف کا یہ پروگرام بن گیا کہ مختلف مسلم ممالک کی اسلامی تحریکات کے جو نمائندے لندن میں بیٹھے ہوئے ہیں ان سے ایک اجتماعی ملاقات کر لی جائے۔ ان دنوں میں ورلڈ اسلامک فورم کا چیئرمین تھا، چنانچہ ہم نے مسلسل ورک کر کے کم و بیش تیرہ

ممالک کی اسلامی تحریکات کے نمائندوں کو جمع کر لیا جن کا اجلاس راقم الحروف کی صدارت میں ہوا۔ میں نے ان دوستوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ قیامِ خلافت اور نفاذِ شریعت کے لیے الگ الگ کام کرنے اور متفرق طور پر اپنی توانائیاں خرچ کرنے کی بجائے کسی ایک ملک کو فوکس کر لیا جائے اور سب مل کر اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں وہاں خرچ کریں۔ اگر کسی ایک جگہ ہم اسلامی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو باقی ممالک میں کام کو آگے بڑھانا آسان ہو جائے گا۔

یہ اس دور کی بات ہے جب ابھی افغانستان کی امارتِ اسلامی اور طالبان کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ میری اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور کم و بیش ہر تحریک کے نمائندے نے رائے دی کہ اس کے لیے پاکستان ہی سب سے زیادہ موزوں ہے اور پاکستان کے دینی حلقے اور علماء کرام ہی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ان کی باتیں سن کر میں خوش تو ہو رہا تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ اندر ہی اندر میں پریشان بھی ہو رہا تھا کہ ''اندر کی بات'' تو میں ہی جانتا تھا۔

میں علماء کرام سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا ہمیں کس نظر سے دیکھ رہی ہے اور ہم سے کیا توقعات وابستہ کیا ہوئے ہے، مگر ہم کس دنیا اور ماحول میں مگن ہیں کہ ہمیں سرے سے ان مسائل اور ان کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

دعوت و تبلیغ کے ساتھ وابستہ رہنے کے ثمرات

حضرات علماء کرام! میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اور جن معاملات کی طرف آپ حضرات کی توجہ دلانے کی کوشش کی ہے ان کا ایک اہم دائرہ اور شعبہ تبلیغی جماعت کا یہ دعوت و تبلیغ کا دائرہ بھی ہے، اور میں علماء کرام سے اس کام کے ساتھ وابستہ رہنے کی درخواست کرتا رہتا ہوں۔ میں نے اس کام کے ساتھ تعلق کے جو فوائد محسوس کیے ہیں ان میں سے چند ایک کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

- نیکی اور خیر کے ایک عمومی کام میں کسی درجے میں شرکت ہو جاتی ہے جو باعثِ خیر و ثواب ہے۔
- اعمالِ خیر کی پابندی کی عادت بنتی ہے۔ مثلاً ذکر و اذکار، نوافل، تلاوت اور بعض دیگر اعمالِ خیر

کا معمول بن جاتا ہے اور عادت بن جاتی ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ کسی جگہ پڑھا تھا کہ خیر کے کاموں کی عادت تم بنالو، اسے عبادت کی شکل اللہ تعالیٰ خود ہی دے دیں گے۔ میرے خیال میں یہ عادت کسی کامل شیخ کی عملی صحبت یا تبلیغی جماعت کے بغیر نہیں بنتی۔

- ڈسپلن پیدا ہوتا ہے اور اوقات کی قدر ذہن میں جگہ بناتی ہے۔ ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ سب سے زیادہ مصروف طبقہ ہم علماء کرام کا ہوتا ہے اور سب سے زیادہ فارغ بھی ہم ہی ہوتے ہیں۔ ہماری فراغت عام طور پر ہماری سب سے بڑی مصروفیت ہوتی ہے اور کچھ شخصیات وافراد کے استثنا کے ساتھ وقت کی قدر وقیمت کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہوتا۔ ہر کام وقت پر کرنا اور ہر وقت کو کسی نہ کسی طرح استعمال میں لانا ہو تو اس کے لیے تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانا بہت مفید ہے۔
- پروٹوکول میں کمی آتی ہے جو ہمارے بہت سے کاموں میں رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ اپنی اپنی جگہ تو ہم خود ہی امیر ہوتے ہیں اور خود ہی فیصلے کرتے ہیں، یہاں ہم مامور ہوتے ہیں، چٹائیوں پر سونا ہوتا ہے، سب دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر اعمال میں شریک ہوتے ہیں اور امیر کے فیصلے کے پابند ہوتے ہیں۔ مجھے تو سچی بات ہے کہ مامور بن کر بے حد خوشی ہوتی ہے۔ جب کوئی دوست اس دوران کسی کام کے لیے کہتا ہے اور میں خود فیصلہ کرنے کی بجائے یہ کہتا ہوں کہ ''امیر صاحب سے پوچھ لیں'' تو بے حد روحانی سکون ملتا ہے۔
- تعلقاتِ عامہ اور پبلک ڈیلنگ کا فن کچھ نہ کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ کس ماحول میں اور کس سطح کے آدمی سے کس طرح بات کرنی ہے اور غیر متعلقہ افراد کو کس طرح بہلا پھسلا کر اپنی راہ پر لانا ہے، اس کا طریقہ معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کا عملی تجربہ بھی ہوتا ہے۔ ہم علماء کرام عام طور پر اس فن سے نابلد ہوتے ہیں۔ ہماری گفتگو کی ایک ہی سطح ہوتی ہے اور ہم ہمیشہ ایک متعیّن فریکوئنسی سے بات کرتے ہیں جو ایسے لوگوں کے سروں کے اوپر سے گزر جاتی ہے جن کی فریکوئنسی ہمارے ساتھ سیٹ نہیں ہوتی۔ میں اس سلسلہ میں اپنا ایک ذاتی تجربہ اور واقعہ آپ حضرات کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے دورۂ حدیث ۱۹۶۹ء میں جامعہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ سے کیا تھا، سالانہ امتحان اس زمانے میں ہمارے ہاں تقریری ہوا کرتا تھا۔ مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروریؒ بخاری شریف کے امتحان میں ممتحن تھے اور بلوچستان اسمبلی کے سابق ڈپٹی اسپیکر مولوی شمس الدین شہیدؒ دورۂ حدیث میں ہمارے ساتھی تھے۔ ہم تیرہ چودہ ساتھی تھے اور اکٹھے ہی امتحان دے رہے تھے۔ حضرت پسروریؒ نے مولوی شمس الدین شہیدؒ سے بخاری شریف کی ایک حدیث کی عبارت پڑھوائی اور پھر ہم سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم سے اس حدیث کے حوالے سے فقہی مذاہب اور ان کے دلائل نہیں پوچھوں گا، اس لیے کہ یہ سب کچھ تم لوگوں نے رٹا ہوا ہو گا، میرا تم سے سوال یہ ہے کہ یہ حدیث اگر تمہیں کسی دور دراز گاؤں میں خالصتاً اَن پڑھ دیہاتی ماحول میں بیان کرنی پڑے تو کیسے بیان کرو گے؟ اس پر میں نے ٹھیٹھ دیہاتی لہجے میں اس حدیث پر پانچ سات منٹ تقریر کی تو حضرت پسروریؒ بہت خوش ہوئے اور امتیازی نمبروں سے نوازا۔ میری آج کی گزارش یہ ہے کہ اس فن سے عام طور پر ہم ناواقف ہوتے ہیں حالانکہ یہ ہماری بہت اہم دینی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے، قریہ قریہ پھرنے اور طرح طرح کے لوگوں سے بات چیت کرنے سے اس فن میں بھی کچھ نہ کچھ شُدبُد ہو جاتی ہے اور تعلقاتِ عامہ کا ہنر تھوڑا بہت آجاتا ہے۔

- ایک دوسرے کے ساتھ میل جول سے بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔ ہمارے درمیان بہت سے معاملات میں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ تبلیغی حلقوں میں علماء کرام کے بارے میں بدگمانیاں موجود ہیں اور علماء کرام کے حلقوں میں تبلیغی جماعت کے بارے میں بدگمانیاں دیکھنے اور سننے میں آتی رہتی ہیں۔ اس کا حل بھی یہ ہے کہ میل جول بڑھایا جائے، ایک دوسرے کی کمزوریوں اور مجبوریوں کو سمجھا جائے، اور افہام وتفہیم کے ساتھ باہمی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ نہ علماء کرام فرشتوں میں سے ہیں اور نہ ہی تبلیغی جماعت فرشتوں کی جماعت ہے، کمزوریوں دونوں طرف موجود ہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ کوئی کام جوں جوں پھیلتا ہے اور اس کے دائرے میں وسعت پیدا ہوتی ہے، اسی حساب سے غلطیوں کا امکان بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ غلطیاں وہی کرے گا جو

کام کرے گا، اور جتنا زیادہ کام کرے گا غلطیاں بھی اسی حساب سے زیادہ ہی کرے گا۔ اس کا علاج غلطیوں کو بلاضرورت اجاگر کرنا اور محاذ آرائی کرنا نہیں بلکہ افہام وتفہیم کے ساتھ ان کی طرف توجہ دلانا ہے اور وہ باہمی میل جول کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔

حضرات علماء کرام! میں نے آپ حضرات کی خدمت میں جو معروضات پیش کی ہیں ان پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ فرمائیں، خدا کرے کہ ہم موجودہ حالات میں اپنی دینی جدوجہد کو زیادہ سے زیادہ مفید اور بامقصد بنانے کی طرف توجہ دے سکیں، آمین یارب العالمین۔

(مسجد ابراہیم، سول لائن، شیخوپورہ-۱۵ نومبر ۲۰۱۱ء)

مرکزی جامع مسجد منڈی بہاؤالدین کا سہ روزہ

گوجرانوالہ کے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد کا سالہا سال سے معمول ہے کہ عید الاضحیٰ کی تعطیلات میں تبلیغی جماعت کے ساتھ سہ روزہ لگاتے ہیں اور مجھے بھی ان کے ساتھ شریک ہونے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سال چالیس کے لگ بھگ علماء کرام اور ان کے رفقاء کی جماعت تھی جس کی تشکیل منڈی بہاء الدین کی مرکزی جامع مسجد میں ہوئی اور ہم بحمد اللہ تعالیٰ جمعۃ المبارک کی شام سے اتوار کو شام تک وہاں مصروفِ عمل رہے۔ جلیل ٹاؤن کے مفتی محمد رضوان جماعت کے امیر تھے جبکہ جماعت میں مولانا داؤد احمد، مولانا قاری گلزار احمد قاسمی، مولانا محمد افضل، مفتی محمد نعمان اور دیگر سرکردہ علماء کرام کے علاوہ حافظ شیخ بدر منیر اور محمد جمیل خان بھی شامل تھے۔

سہ روزہ کا طریق کار اور مقاصد

تبلیغی جماعت کے سہ روزے میں عام طور پر طریق کار یہ ہوتا ہے کہ اردگرد کے ماحول میں گشت کر کے عام مسلمانوں کو مسجد میں آنے اور علماء کرام سے ملاقات کی دعوت دی جاتی ہے۔ مختلف طبقات کے لیے خصوصی گشت ہوتا ہے، عوام، تاجر حضرات اور علماء کرام کے لیے الگ الگ نشستیں ہوتی ہیں۔ اور ان اجتماعات کے ساتھ ساتھ گشت کے دوران ملنے والوں کو اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ

- دنیاوی کاموں میں جائز مصروفیت کو قائم رکھتے ہوئے آخرت کی فکر کی طرف بھی توجہ دی جائے۔
- نماز، روزہ اور دیگر فرائضِ دینیہ کی بجاآوری کا اہتمام کیا جائے۔

- ایک دوسرے کا احترام اور اکرام کیا جائے۔
- ایک دوسرے میں خیر کی تلقین اور گناہ سے بچنے کا ذوق بیدار کیا جائے۔
- کلمہ، نماز، قرآن کریم کی صحیح تلاوت کے لیے بنیادی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔
- اور اس تعلیم و تربیت کے لیے کچھ وقت فارغ کر کے دعوت و تبلیغ کے ماحول میں تین دن، دس دن یا چالیس دن گزارے جائیں تاکہ بنیادی باتوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تربیت کے ماحول سے بھی آشنائی ہو۔
- جبکہ اس دفعہ ہمارے اہداف میں ۳۱/اکتوبر سے رائیونڈ میں شروع ہونے والے عالمی تبلیغی اجتماع میں شرکت کی دعوت دینا بھی شامل تھا۔

میری تشکیل خواص کے لیے گشت میں ہوئی اور چند دوستوں کے ہمراہ ڈی سی او، ڈی پی او، ایم این اے، اور ایم پی اے حضرات سے ملنا طے ہوا۔ ڈی سی او صاحب تو بلدیاتی الیکشن کی تیاری کے سلسلہ میں میٹنگ میں مصروف تھے۔ ڈی پی او صاحب بھی دفتر میں موجود نہیں تھے، البتہ ان کے دفتر میں آئے ہوئے ضلع بھر کے چند سیاسی راہنماؤں سے ملاقات ہوئی اور کچھ دیر مفید گفتگو رہی۔ مرکزی جامع مسجد منڈی بہاء الدین کے خطیب مولانا عبد الماجد بھی ہمارے ساتھ تھے جو بڑے باذوق اور متحرک عالمِ دین ہیں۔ اس موقع پر جن حضرات سے گفتگو ہوئی ان میں زیادہ تر دوست سیاسی زندگی سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے مختلف پہلوؤں اور مسائل پر باہمی تبادلۂ خیال ہوا اور متنوع پہلوؤں پر مختلف خیالات سننے کو ملے۔

عوام الناس کے رجحانات سے آگاہی کی ضرورت

وہاں سے واپس آتے ہوئے ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ اپنی ایک بات کہنے کے لیے لوگوں کی بہت سی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ”سننا پڑتی ہیں“ سے اختلاف ہے اس لیے کہ میں ”سننی چاہئیں“ کا قائل ہوں۔ ہمیں عام لوگوں کے ذوق اور معاشرہ کی عمومی نفسیات سے آگاہ ہونے کے لیے طرح طرح کے لوگوں کی طرح طرح کی باتیں سننا چاہئیں تاکہ ہمیں عام لوگوں کے عمومی رجحانات سے آگاہی حاصل ہو، اور ہم سب باتوں کو سامنے رکھ کر اپنی گفتگو اور محنت کے راستے نکال سکیں۔ میں نے گزارش کی کہ میرا مزاج یہ ہے کہ بسا اوقات طرح طرح کے لوگوں کی باتیں سننے کا

بطور خاص اہتمام کرتا ہوں۔ ایسی مجالس جن میں مختلف طبقات کے لوگ بیٹھے ہوں، کوئی مسئلہ چھیڑ کر خاموشی کے ساتھ سننے لگتا ہوں اور مخالف حضرات کی باتوں کو زیادہ توجہ اور دلچسپی سے سنتا ہوں، اس سے مجھے اپنی گفتگو کا زاویہ متعیّن کرنے اور کام کو آگے بڑھانے میں بہت راہنمائی ملتی ہے۔

خصوصا علماء کرام اور دینی راہنماؤں کے لیے تو بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ عام لوگوں اور مختلف طبقات کے حضرات کی باتوں کو سنیں، ان کے گلے شکوے معلوم کریں، ان کے رجحانات کا صحیح طور پر اندازہ لگائیں اور ان کے مزاج و نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کریں، تاکہ وہ ان کے درمیان اپنے دینی فرائض کی صحیح طور پر انجام دہی کی راہ نکال سکیں۔

تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کے دو فائدے

یہ گزارش میں نے علماء کرام کے خصوصی اجتماع میں بھی کی کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے میں علماء کرام کے لیے فائدے کے بہت سے پہلو ہیں جن میں سے دو بطور خاص قابل توجہ ہیں:

1. ایک کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ کچھ عرصہ حالت سفر میں رہنے سے رنگا رنگ کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں، ان سے براہ راست گفتگو کا موقع ملتا ہے، اور ان کی کڑوی میٹھی ہر طرح کی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔ جن سے ”پبلک ڈیلنگ“ کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور عام لوگوں کے ساتھ بات کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔
2. جبکہ دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری شب و روز کے معمولات کی ترتیب قائم ہو جاتی ہے۔ ورنہ ہم عام طور پر بے ترتیب لوگ ہوتے ہیں کہ جو کام جس وقت چاہا کر لیا۔ ایک طے شدہ ترتیب کے ساتھ کچھ عرصہ پابندی کے ماحول میں گزار کر اس بات کی عادت بن جاتی ہے کہ ہر کام کو اپنے وقت پر کیا جائے اور وقت کو ضائع ہونے سے بچا کر کسی نہ کسی کام میں لایا جائے۔

علماء کو میں نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ایک ڈاکٹر جب ایم بی بی ایس کر لیتا ہے تو اسے آزادانہ کام کا موقع دینے سے پہلے سال دو سال ”ہاؤس جاب“ کے مرحلہ سے گزرا جاتا ہے تاکہ جو کچھ پڑھا ہے اسے استعمال کرنے کا سلیقہ آجائے اور تھیوری محض تھیوری نہ رہے بلکہ پریکٹیکل میں بدل جائے۔ اسی طرح ایک نوجوان ایل ایل بی کا کورس کر کے وکیل بنتا ہے تو اسے عدالت میں براہ راست پیش ہونے سے قبل کسی سینئر وکیل کے ساتھ کچھ عرصہ رہ کر کام کا تجربہ حاصل کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد

اسے بار کی طرف سے عدالت میں پیش ہونے کے لیے لائسنس جاری کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ابھی تک یہ ماحول نہیں بن سکا، ہم دینی تعلیم یا تخصص کے کسی شعبہ میں سند حاصل کر لینے کے بعد کام میں آزاد ہوتے ہیں اور ڈائریکٹ بھرتی ہو جاتے ہیں جس کے بہت سے نقصانات سامنے آرہے ہیں۔ پبلک ڈیلنگ اور شب و روز کے معمولات کو ترتیب میں لانے کے لیے میرے نزدیک حل یہ ہے کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک عالمِ دین کو یا تو کسی شیخ کامل کے ساتھ روحانی تربیت کا باقاعدہ تعلق قائم کر کے ان کی عملی نگرانی میں کچھ عرصہ رہنا چاہیے، یا تبلیغی جماعت کے ساتھ کچھ وقت لگانا چاہیے۔ میرے خیال میں موجودہ حالات میں یہ دونوں مقصد اس کے سوا حاصل نہیں ہو سکتے، جبکہ یہ دونوں انتہائی ضروری ہیں، خدا کرے کہ ہم اپنی ان ضروریات کی طرف مناسب توجہ دے سکیں۔

چند سیاسی راہنماؤں سے ملاقات

ہم نے منڈی بہاء الدین سے حالیہ الیکشن میں آزاد امیدوار کے طور پر منتخب ہونے والے قومی اسمبلی کے رکن چودھری محمد اعجاز صاحب سے ان کے ڈیرے پر ملاقات کی اور انہیں رائے ونڈ کے اجتماع میں شرکت کی دعوت دی جس کا انہوں نے وعدہ کر لیا۔ اس ملاقات میں ان سے ملنے کے لیے ضلع کے مختلف علاقوں سے آنے والے دیگر سرکردہ حضرات سے بھی ملاقات ہو گئی اور ہمیں ان تک اپنی دعوت پہنچانے کا موقع ملا۔

پیپلز پارٹی کے سابق ایم پی اے جناب طارق علوانہ کے ڈیرے پر بھی گئے اور ان کے علاوہ وہاں بھی بہت سے حضرات سے ملاقات ہو گئی۔ الغرض ہماری یہ تین روزہ مصروفیات دین کی دعوت و تبلیغ کے بابرکت کام میں شرکت کے ساتھ ساتھ مختلف طبقات کے سرکردہ حضرات سے ملاقاتوں اور بات چیت کا ذریعہ بھی بن گئی اور اس سے تجربہ و مشاہدہ کا دائرہ وسیع ہوا۔

اس کے ساتھ ہی وہ دعوت جو ہم اس دوران ہر ملاقاتی کو دیتے رہے، اسے اپنے قارئین کے سامنے بھی پیش کرنا چاہتا ہوں کہ تبلیغی جماعت کا سالانہ عالمی اجتماع ۳۱/اکتوبر جمعرات سے شروع ہو رہا ہے جو دو مرحلوں میں ہو گا۔ پہلا مرحلہ ۳/نومبر کو مکمل ہو گا اور اتوار کو صبح دعا پر اختتام پذیر ہو گا، جبکہ دوسرا مرحلہ ۷ نومبر جمعرات سے شروع ہو گا اور ۱۰ نومبر اتوار کو دعا پر مکمل ہو گا۔ ان اجتماعات میں دنیا بھر سے علماء کرام، دینی کارکنوں اور عام مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد شریک ہوتی ہے، ایک دوسرے کو

آخرت کی فکر دلائی جاتی ہے، دین کے اعمال کی ترغیب دی جاتی ہے، اور امت کے لیے دعاؤں کا اہتمام ہوتا ہے، سب دوستوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس اجتماع میں کچھ نہ کچھ شرکت ضرور ہو جائے۔

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۲۴ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

(مرکزی جامع مسجد منڈی بہاؤالدین میں
۲۰/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو علماء کرام کی ایک نشست سے خطاب)

بعد الحمد والصلوۃ۔

علم کے دائرے امام غزالیؒ کی نظر میں

حضرات علماء کرام! امام غزالیؒ نے علم کے حوالہ سے لوگوں کے چار مختلف درجات بیان فرمائے ہیں، وہ کہتے ہیں:

1. "رجل یدری و یدری انه یدری فهو عالم فاتبعوه"۔ ایک شخص وہ ہے جو علم رکھتا ہے اور یہ بات جانتا ہے کہ وہ علم رکھتا ہے، یعنی اپنے عالم ہونے کا اسے احساس ہے اور وہ اس حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتا ہے، وہ عالم ہے اس کی پیروی کرو۔
2. "و رجل یدری و لا یدری انه یدری فهو نائم فایقظوه"۔ ایک شخص وہ ہے جو علم تو رکھتا ہے لیکن اسے اپنے علم کی ذمہ داری کا ادراک و احساس نہیں ہے، وہ سویا ہوا ہے، اس کو بیدار کرو۔
3. "و رجل لایدری و یدری انه لایدری فهو مسترشد فعلموه"۔ ایک شخص وہ ہے جو علم نہیں رکھتا اور اسے اس بات کا بھی علم اور احساس ہے کہ وہ علم سے بہرہ ور نہیں ہے، ایسا شخص راہنمائی اور علم کا طلبگار ہے، اسے سکھاؤ۔
4. "و رجل لایدری انه لا یدری فهو جاهل فاحذروه"۔ مگر ایک شخص وہ ہے جو علم نہیں رکھتا اور اسے اپنے بے علم ہونے کا احساس بھی نہیں ہے، وہ جاہل ہے، اس سے بچو۔

ہم آج اس محفل میں جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو علماء کہلاتے ہیں، لوگ ہمیں علماء کے طبقے میں شمار کرتے ہیں اور علماء سمجھتے ہیں۔ خدا کرے کہ ہم اس قابل ہو جائیں مگر لوگ بہر حال یہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اس لیے یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ امام غزالیؒ نے جتنے درجات

بیان کیے ہیں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان میں سے دوسرے درجے میں زیادہ فٹ بیٹھتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو دین کے کسی نہ کسی شعبہ میں اور کسی نہ کسی درجے میں کچھ نہ کچھ علم تو رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس حیثیت سے اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے اور ہم انہیں پورا کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہو رہے۔ اس لیے میں اسی حوالہ سے کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

علماء کہلاتے ہوئے کچھ چیزیں تو ہماری ضروریات ہیں اور کچھ باتیں ہماری ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔ میں ان کا الگ الگ ذکر کرنا چاہوں گا۔

علم کی ضروریات

علم کی حفاظت کا بندوبست

جہاں تک ضروریات کا تعلق ہے، ہماری سب لوگوں کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ جو علم ہم نے حاصل کیا ہے اور آٹھ دس سال اس پر صَرف کیے ہیں وہ ہمارے پاس موجود اور محفوظ رہے۔ اس لیے کہ آٹھ دس یا بارہ سال کی محنت سے ایک چیز ہم نے حاصل کی ہے اور پھر دو تین سال کی غفلت سے اسے ضائع کر دیا ہے تو یہ بہت خسارے کا سودا ہے۔ اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ علم حاصل کرنے میں جتنا وقت صَرف کرنا پڑتا ہے، اسے ضائع کرنے میں اس سے بہت تھوڑا وقت درکار ہوتا ہے۔ آپ نے ایک علم تک رسائی کے لیے دس سال صَرف کر دیے ہیں مگر اسے کھو دینے میں سال دو سال کی بے پرواہی بھی کافی ہوتی ہے۔ اس لیے ہماری سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ یہ علم ہمارے پاس موجود اور محفوظ رہے ورنہ ساری محنت بیکار جائے گی۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ حاصل کردہ علم کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے لیکن صرف اتنی بات کا خود اپنے آپ کو اور آپ حضرات کو احساس دلانا چاہتا ہوں کہ علم حاصل کرنے کے بعد اسے اپنے پاس موجود و محفوظ رکھنے کے لیے محنت کرنا بھی ہماری ضرورت ہے۔

علم کے استعمال کا سلیقہ

اس سلسلہ میں ہماری دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہمیں اس علم کے صحیح استعمال کا سلیقہ آتا ہو۔ اس

لیے کہ ایک چیز موجود ہے مگر اسے استعمال کا سلیقہ نہیں ہے تو اس کا موجود ہونا یا نہ ہونا برابر ہوجاتا ہے۔ علم اپنے استعمال کا سلیقہ چاہتا ہے، اگر بے تدبیری اور بغیر حکمت و سلیقہ کے علم کو "کیف ما اتفق" استعمال کیا جائے تو یہ نقصان کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ ایک ڈاکٹر ایم بی بی ایس کا کورس کرلیتا ہے تو اسے باقاعدہ منصب پر فائز کرنے سے پہلے "ہاؤس جاب" کے مرحلہ سے گزارا جاتا ہے تاکہ جو کچھ اس نے نصاب میں پڑھا ہے عملی زندگی میں اس کے استعمال کرنے کا اسے تجربہ حاصل ہوجائے۔ اسی طرح ایک وکیل ایل ایل بی کا کورس کرلیتا ہے تو اسے عدالت میں پیش ہونے کی اہلیت کا سرٹیفکیٹ بار سے حاصل کرنا پڑتا ہے جس کے لیے شرط ہوتی ہے کہ وہ کسی سینئر وکیل کی نگرانی میں سال دو سال کام کرے تاکہ اسے کام کا طریقہ آجائے۔ لیکن ہمارے ہاں عام طور پر یہ خلا پایا جاتا ہے کیونکہ ہم سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد دین کے جس شعبہ میں جاتے ہیں وہاں "ڈائریکٹ بھرتی" ہوجاتے ہیں۔ اور اس کے نقصانات بیانات کرنے کی آپ حضرات کے سامنے مجھے ضرورت نہیں ہے۔

اس لیے میں فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام کو یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ عملی زندگی میں داخل ہونے سے پہلے کسی مربی شیخ کی خدمت میں وقت گزاریں یا کم از کم جماعت کے ساتھ وقت لگائیں۔ اس سے اور نہیں تو دو فائدے ضرور حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ ملنے اور گفتگو کرنے سے لوگوں کی نفسیات کچھ نہ کچھ سمجھ میں آتی ہیں اور مختلف سطح کے لوگوں سے بات چیت کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ شب و روز کے معمولات کی ترتیب قائم ہوجاتی ہے ورنہ ہم عام طور پر بے ترتیب لوگ ہوتے ہیں کہ کون سا کام کس وقت کرنا ہے اور کس وقت کو کون سے کام کے لیے استعمال میں لانا ہے۔ یہ ترتیب بھی ہمارے ضروریات میں سے ہے اور کسی کامل شیخ کے ساتھ یا جماعت کے ساتھ وقت گزارنے سے یہ ضرورت کسی نہ کسی درجے میں پوری ہوجاتی ہے۔

عالم باعمل بننے کی ضرورت

ہماری تیسری ضرورت یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اسے پہلے اپنی ذات پر لاگو کریں اور خود اس پر عمل کرکے نمونہ بنیں۔ ورنہ صرف تھیوری رہ جائے گی جو کہ پریکٹیکل کے بغیر بیکار چیز ہوتی ہے۔ جس طرح دنیاوی علوم میں کلاس میں تھیوری پڑھائی جاتی ہے اور لیبارٹری میں اس پر عمل کرنا سکھایا جاتا ہے، اسی طرح ہماری بھی یہ ضرورت ہے کہ جو کچھ کلاس میں پڑھا ہے اس پر خود ہماری پریکٹس

ہو۔ اور ہم اس پر عمل کر کے اس کے فوائد و ثمرات سے خود استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے لیے بھی اسے اجاگر کریں۔ مجھے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کی یہ بات بہت پسند آئی ہے اور میں اسے مختلف مواقع پر دہراتا رہتا ہوں کہ ”ہم دینی مدارس میں پڑھاتے ہیں مگر سکھاتے نہیں“۔ اس لیے مجھے اور آپ کو اسے اپنی ضروریات میں شمار کرنا چاہیے کہ ہم جو علم حاصل کرتے ہیں اس پر ہماری پریکٹس بھی ہو اور ہم لوگوں کو صرف نظریہ اور تھیوری نہ پڑھائیں بلکہ اس پر عمل کر کے اس کا نمونہ بھی ان کے سامنے پیش کریں۔

علم آگے پہنچانے کی ذمہ داری

جبکہ ضروریات میں چوتھے نمبر پر اس بات کا ذکر کروں گا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اسے اپنی ذات تک محدود رکھنے کی بجائے دوسروں تک پہنچانا بھی ہماری ضرورت ہے۔ میں نے اسے ذمہ داریوں کی بجائے جان بوجھ کر ضروریات کے دائرے میں بیان کیا ہے کہ علم کو دوسروں تک منتقل کرنا ہماری اپنی ضرورت ہے تاکہ ہم بخیل نہ شمار ہوں اور کتمانِ علم کے مرتکب نہ ہوں۔ ضرورت کے وقت علم کی متعلقہ بات چھپانے پر قرآن کریم نے سخت وعید بیان فرمائی ہے اور اس وعید سے بچنے کے لیے ہماری یہ ضرورت ہے کہ ہم حسبِ ضرورت علم کی بات دوسروں تک پہنچا کر علم کو نفع بخش بنائیں۔

علم کی ذمہ داریاں

علم کے حوالے سے ہماری ذمہ داریوں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے بیسیوں پہلو ہیں جن کی تفصیل کا وقت نہیں ہے مگر ان میں سے صرف ایک بات کا آج کی محفل میں تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم لوگوں کی نظر میں ایک عالم ہونے کی حیثیت سے جہاں بھی ڈیرہ لگائیں، اردگرد کے لوگوں کو تعلیم دینا اور ان کی دینی راہنمائی ہماری ذمہ داری بن جاتا ہے، اس کے دو الگ الگ دائرے ہیں۔

دینداروں کے اعمال کی تصحیح

ایک دائرہ یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے پاس مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے خود آجاتے ہیں، یا مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے طلب لے کر خود آتے ہیں، انہیں تو ہم کسی نہ کسی درجہ میں تعلیم اور راہنمائی فراہم کر دیتے ہیں اگرچہ جو کچھ ہونا چاہیے وہ نہیں ہوتا۔ جس کی ایک چھوٹی سی مثال یہ ہے

کہ ایک خطیب صاحب یا امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو کم از کم نماز صحیح طریقہ سے پڑھنے کی تعلیم دینا اور نماز کے مسائل واحکام سے آگاہ کرنا بہر حال اس خطیب اور امام ہی کی ذمہ داری بنتی ہے۔ مگر ہم عام طور پر ایسا نہیں کرتے اور ہمارے اردگرد کے لوگ بنیادی ضروریاتِ دین سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔

بے دین لوگوں کی فکر

دوسرا دائرہ تو اس سے بھی زیادہ قابل توجہ ہے کہ جو لوگ مسجد میں نہیں آتے یا جن میں دین کی تعلیم کی طلب موجود نہیں ہے، ان کی دینی و تعلیمی ضروریات کس نے پوری کرنی ہیں؟ یہ مسجد و مدرسہ میں آنے والے لوگوں کا تناسب نہ آنے والوں سے بہت ہی کم ہے۔ آنے والوں کی بہ نسبت نہ آنے والے بہت زیادہ ہیں لیکن ان کے ساتھ ہمارا سرے سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ اس تناظر میں جو لوگ دعوت و تبلیغ کے اس عمل کے ذریعے مسجد میں نہ آنے والوں کو گھیر گھار کر مسجد میں لے آتے ہیں اور ہمارے پیچھے صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ ہمیں ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور انہیں اپنا معاون سمجھنا چاہیے کہ جن لوگوں کو مسجد تک لانا ہمارے دائرہ کار میں شامل نہیں ہے، انہیں سمجھا بجھا کر مسجد میں لانے والے یہ لوگ موجود ہیں اور کام کر رہے ہیں۔

پھر اس سے اگلی بات عرض کروں گا کہ عام مسلمانوں کے کلمے صحیح کرانا، انہیں عقائد و اعمال کی ضروریات سے روشناس کرانا، اور ضروریات دین کی تعلیم دینا بھی اصل میں علماء کرام کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ لیکن یہ کام بھی کچھ اور لوگ کر رہے ہیں کہ تین دن، دس دن، چالیس دن کے مختلف کورسز کرا کے یہ لوگ عام مسلمانوں کو ضروریاتِ دین کی تعلیم دینے کا کام کسی حد تک جاری رکھے ہوئے ہیں، اس لیے ہمیں ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ جبکہ ان لوگوں کو بھی خود کو علماء کرام کی راہنمائی سے مستغنی نہیں سمجھ لینا چاہیے اور علماء کرام کی سرپرستی اور راہنمائی کے دائرے سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔

دعوت اور تعلیم کی باہمی تقسیمِ کار کا احترام

میں کچھ عرصہ سے دیکھ رہا ہوں کہ بعض مقامات پر علماء کرام اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے درمیان مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جب کوئی کام وسعت پکڑتا ہے تو اس سے مسائل

پیدا ہوتے ہیں اور طرح طرح کی الجھنیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ان مسائل کو محسوس کرنا اور ان الجھنوں کے بروقت حل نکالنا ہی دانشمندی کا تقاضہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ مسجد کی آبادی اور عام لوگوں کو دین کے ساتھ جوڑنے کے کام میں ہمارے معاون ہیں اور علماء کرام ان کے سرپرست ہیں۔

- ان حضرات کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم لوگوں کو دین کے قریب لانے کی محنت کر رہے ہیں تاکہ مساجد آباد ہوں اور لوگ علماء کرام سے دین حاصل کریں۔
- جبکہ علماء کرام کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ لوگ اس کارِ خیر میں ہمارے معاون اور دست و بازو ہیں۔

اگر دونوں طرف سے یہ جذبہ ہوگا تو اس کام کے مثبت فوائد و نتائج حاصل ہوں گے اور کام دن بدن مزید ترقی کرے گا۔ لیکن اگر ہم ایک دوسرے کو شک کی نظر سے دیکھتے رہیں گے تو اصل کام میں نقصان ہوگا اور خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اس لیے آج کی اس محفل میں سب دوستوں سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دین کا کام کرنے والے سب لوگوں کو ایک دوسرے کا معاون بننا چاہیے اور ایک دوسرے کی کمزوریوں سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے ایک دوسرے کی خوبیوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دیں، آمین یارب العالمین۔

دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ کا سہ روزہ

گوجرانوالہ کے بہت سے علماء کرام کا یہ معمول سالہا سال سے چلا آرہا ہے کہ وہ سال میں تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک اجتماعی سہ روزہ لگاتے ہیں اور دو تین روز دعوت و تبلیغ کے ماحول میں گزارتے ہیں، اس سہ روزہ میں مجھے بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس سال تیس کے لگ بھگ علماء کرام کے اس سہ روزہ کی تشکیل دارالعلوم الشہابیہ سیالکوٹ میں ہوئی اور تین دن ہم تبلیغی جماعت کے ساتھ اعمال میں شریک رہے۔ منگل، بدھ اور جمعرات کے ایام اس ترتیب سے گزار کر جمعرات کو سیالکوٹ کے تبلیغی مرکز میں شب جمعہ کے اجتماع میں حاضری کی سعادت بھی حاصل ہوگئی، فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ اس سہ روزہ کا مقصد خیر کے ایک عمل میں شرکت کے علاوہ اس کے ساتھ ہم آہنگی کا اظہار ہوتا ہے اور تبلیغی سرگرمیوں اور معمولات سے آگاہی میں تازگی کے ساتھ کچھ مشاورت کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

سہ روزہ کی سرگرمیوں کے دوران اسی کی ترتیب کے مطابق مجھے علماء کرام کے ایک وفد کے ہمراہ جن میں مولانا عمران بشیر اور قاری محمد قمر شامل تھے، سیالکوٹ کی دو یونیورسٹیوں میں جانے اور ان کے ذمہ دار حضرات کے ساتھ تعلیمی اور تبلیغی مسائل کے حوالے سے تبادلۂ خیالات کا موقع مل گیا۔ ایک یونیورسٹی آف سیالکوٹ ہے جس نے حال ہی میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے، جبکہ دوسری یونیورسٹی آف مینیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی ہے جو ملک کے اہم تعلیمی اداروں میں شمار ہوتی ہے جہاں متعدّد اساتذہ اور ایم فل کی کلاس کے اسکالرز کے سامنے کچھ گزارشات پیش کیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

یو ایم ٹی میں چند گزارشات

بعد الحمد والصلوۃ۔ میں UMT کی انتظامیہ اور خاص طور پر صدر شعبہ ڈاکٹر عبد العلیم کا شکر گزار ہوں کہ اہلِ علم و دانش کے اس فورم پر کچھ معروضات پیش کرنے کا موقع فراہم کیا، اللہ تعالیٰ انہیں

جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔ چونکہ یہ علمی و تحقیقی فورم ہے اور اسکالرز و ریسرچ کا ماحول ہے اس لیے میں اسی حوالے سے آج کی ایک دو اہم ضروریات کے حوالہ سے کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔

تہذیبوں کی کشمکش اور اہلِ دانش کی ذمہ داری

پہلی بات یہ ہے کہ جب دو تہذیبیں اور ثقافتیں جمع ہوتی ہیں تو مفاہمت اور ٹکراؤ دونوں کے امکانات موجود ہوتے ہیں، اور ایسے موقع پر تعلیمی اداروں، علمی مراکز اور اہل علم و دانش کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ صورتحال کا گہرائی اور وسعت کے ساتھ جائزہ لیں اور قوم کی صحیح سمت راہنمائی کریں۔ ہم جنوبی ایشیا کے مسلمان گزشتہ اڑھائی سو برس سے ایک ہمہ گیر تہذیبی کشمکش سے دوچار ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے آنے سے شروع ہوئی تھی اور اب تک جاری ہے اور اس کی شدت میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایک طرف ہندو اور دوسری طرف مسلم تہذیب و ثقافت ہے، جبکہ ان کے درمیان فرنگی تہذیب کے آجانے سے سہ فریقی تہذیبی جنگ کا ماحول پیدا ہو گیا تھا، جس میں اب چوتھے فریق چینی تہذیب کی آمد کے واضح امکانات نے اس کشمکش کو نیا رنگ دے دیا ہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس حوالہ سے ایک مختلف ماحول سامنے آتا دکھائی دے رہا ہے۔ اس صورتحال میں ہمارے تعلیمی اداروں کی، خواہ وہ بڑے دینی مدارس ہوں یا ریاستی جامعات ہوں، یکساں ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ آنے والے حالات کا صحیح طور پر ادراک کریں اور پاکستانی قوم کی بروقت راہنمائی کی کوشش کریں۔ اس حوالے سے دو گزارشات کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

''خذ ما صفا و دع ما کدر''

ایک یہ کہ اسلام کا مزاج اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام نے اب سے چودہ سو برس قبل تہذیبی اور معاشرتی انقلاب و تغیرات کا جو منظر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا وہ کیا تھا؟ اور جناب رسول اللہ نے عرب جاہلیت اور رومی و فارسی تہذیبوں کی کونسی باتیں رد کی تھیں اور کن باتوں کو باقی رہنے دیا تھا؟

اس سلسلہ میں میری طالبعلمانہ رائے یہ ہے کہ نہ تو ان تہذیبوں کو مکمل طور پر قبول کیا گیا تھا اور نہ ہی مکمل طور پر مسترد کر دیا گیا تھا۔ بلکہ "خُذ ما صفا و دَع ما کدِر" کے اصول پر جو باتیں اسلام کے

اصول و عقائد اور بنیادی روایات سے متصادم نہیں تھیں انہیں گوارا کر لیا گیا تھا، مگر جو روایات و اقدار اسلام کے عقائد و اصول سے متصادم تھیں انہیں رد کر دیا گیا تھا۔ آج بھی ہمارے لیے راہنما اصول یہی ہے اور ہمیں پوری احساسِ ذمہ داری اور شعور و تدبر کے ساتھ اس کے لیے راہِ عمل طے کرنا ہوگی۔

دو طرفہ علم و شعور کی ضرورت

دوسری گزارش یہ ہے کہ تہذیبوں کے درمیان تصادم کی بات ہو یا مکالمہ اور مفاہمت کا راستہ ہو، دونوں کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ اس پر بات کرنے والے حضرات دونوں طرف کا بنیادی علم اور شعور رکھتے ہوں:

- اسلامی تہذیب و ثقافت کی بات کرنے والوں کے لیے دوسری تہذیبوں سے کماحقہٗ واقفیت ضروری ہے،
- اسی طرح دوسری تہذیبوں کی وکالت کرنے والے حضرات کے لیے اسلام کے علوم و احکام اور تہذیبی روایات و اقدار سے کماحقہٗ آگاہی ناگزیر ہے۔

جبکہ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی نمائندگی کرنے والے حضرات کی غالب اکثریت اسلامی علوم و روایات سے اس طرح کی واقفیت نہیں رکھتی جو تحقیق و تجزیہ اور تقابلی مطالعہ کے لیے لازم ہے۔ اسی طرح دینی روایات و اقدار کے علمبردار حضرات کی بڑی تعداد مغربی تہذیب، ہندو تہذیب اور چینی تہذیب کے بارے میں اس درجہ باخبر نہیں ہیں۔

اس تناظر میں یہ بات ناگزیر ضرورت کی حیثیت اختیار کر گئی ہے کہ ریاستی اداروں میں قرآن و سنت کے علوم و معارف کے ساتھ ساتھ اسلام کے چودہ سو سالہ اجتماعی تہذیبی ماحول اور اقدار و روایات کو علمی طور پر پڑھایا جائے۔ جبکہ دینی مدارس میں معاصر تہذیبی اور نظاموں سے اساتذہ و طلبہ کو باخبر کرنا بھی اسی درجہ میں ضروری ہے۔ اس لیے میری گزارش ہوگی کہ یونیورسٹیوں اور دینی مدارس میں اس ضرورت کا صحیح طور پر احساس کرنے والے اساتذہ کے مشترکہ فورم وجود میں آئیں اور ہم مل جل کر قوم کو موجودہ تہذیبی کشمکش کے حوالہ سے مستقبل کے امکانات و خدشات سے باخبر کر کے اپنی تہذیب و ثقافت اور اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے کی محنت کریں۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم اپنی علمی، تعلیمی، دینی اور معاشرتی ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے۔

(۱۰اکتوبر ۲۰۱۸ء کو یونیورسٹی آف مینیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی سیالکوٹ میں خطاب)

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۱۶اکتوبر ۲۰۱۸ء)

جامع مسجد طوبیٰ شیخوپورہ کا سہ روزہ

(۲/اکتوبر ۲۰۱۹ء کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن شیخوپورہ سے خطاب)

بعد الحمد والصلوۃ۔ ہماری حاضری شیخوپورہ میں تبلیغی جماعت کے ساتھ سہ روزہ کے لیے ہوئی ہے، گوجرانوالہ کے بہت سے علماء کرام کا ایک عرصہ سے معمول ہے کہ سال میں ایک سہ روزہ اکٹھے لگاتے ہیں اور میں بھی اس میں شامل ہوتا ہوں، اس دفعہ ہماری تشکیل شیخوپورہ کی جامع مسجد طوبیٰ میں ہوئی ہے اور ہماری تیس کے لگ بھگ علماء کرام کی جماعت پرسوں سے وہاں تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہے، آج آخری روز ہے اور ہم اسی حوالہ سے آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

دین سے دوری کے نتائج

ہماری بنیادی دعوت تو وہی ہے جو دنیا بھر میں سب مسلمانوں کے لیے ہے کہ ہم سب کو دین کے اعمال اور ماحول کی طرف واپس آجانا چاہیے، کیونکہ دین کے اعمال اور ماحول سے ہٹ کر ہم نے بہت خسارہ اٹھایا ہے۔ اور اس وقت دنیا بھر میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور پریشانیوں کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم دین کے اعمال، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز زندگی پر قائم نہیں رہے، جس کی بے برکتی نے ہمیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے اور مصائب کی دلدل سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے کچھ بزرگوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ امت کو دین کے اعمال کی طرف واپسی کی دعوت دی جائے اور اس کے لیے عملی طور پر تیار کرنے کی محنت کی جائے، مسجدیں آباد ہوں، قرآن کریم کی تعلیم کا فروغ ہو، سنتِ رسولؐ کے مطابق زندگی گزارنے کا ذوق پختہ ہو، اور شریعت کے احکام کی پابندی کا ماحول دوبارہ قائم ہو جائے۔

دائرہ اسلام اور دائرہ اعمال کی ذمہ داری

میں اس دعوت کو دو دائروں میں بیان کیا کرتا ہوں:

1. ایک تو یہ ہے کہ دینِ اسلام اور جناب نبی اکرمؐ کی دعوت ساری نسلِ انسانی کے لیے ہے۔ قرآن کریم "ھدی للناس" ہے اور جناب رسول اللہ نے "أیھا الناس" کہہ کر اپنی دعوت اور محنت کا آغاز کیا تھا۔ جبکہ آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے، کسی کو نبوت نہیں ملنی، اس لیے قیامت تک نسلِ انسانی کو دین کی یہ دعوت پہنچانا بہرحال امت ہی کی ذمہ داری ہے، اس کا اور کوئی ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی ساڑھے سات ارب کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے جس میں ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمان ہیں، اب ظاہر بات ہے کہ باقی پانچ ارب انسانوں کو کلمہ کی دعوت دینا، نبی کریمؐ کی ذاتِ مبارکہ سے متعارف کرانا، اور قرآن کریم ان تک پہنچانا ڈیڑھ ارب مسلمانوں ہی کی ذمہ داری بنتی ہے۔ اس لیے ہمیں یہ اپنی اپنی جگہ پر ضرور سوچ لینا چاہیے کہ ہم اس ذمہ داری کو کس حد تک ادا کر رہے ہیں؟
2. دعوت و تبلیغ کا دوسرا دائرہ امت کو دین کے اعمال اور ماحول کی طرف واپس لانے کا ہے، جس کے لیے تبلیغی جماعت کی یہ محنت دنیا بھر میں جاری ہے۔ اور یہ دعوت کے پہلے دائرہ کے لیے بھی ضروری ہے اس لیے کہ اسلام کی صحیح دعوت عمل و کردار کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ دنیا کے ایک بڑے حصہ میں اسلام کا فروغ عمل و کردار اور اخلاق و دیانت کے ماحول کی وجہ سے ہوا ہے، اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر نسلِ انسانی کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا ہے۔ یہ ویسے بھی ہماری ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی گزاریں، اس میں اُخروی نجات بھی ہے، دنیوی فلاح بھی ہے، برکت بھی ہے اور سکون و اطمینان بھی ہے۔

چنانچہ ہم اسی بات کی دعوت لے کر آپ کے پاس آئے ہیں کہ اس محنت میں شریک ہوں، تعاون فرمائیں اور حصہ لیں۔ اس کی بڑی صورت تو یہ ہے کہ اس محنت میں باقاعدہ شامل ہوں، اپنے اوقات فارغ کریں اور خود کو اس محنت کے نظام کے ساتھ وابستہ کر لیں۔ اور اسی حوالے سے ہم یہ دعوت بھی دے رہے ہیں کہ نومبر کے پہلے عشرہ کے دوران رائے ونڈ کا سالانہ تبلیغی اجتماع ہو رہا ہے جس میں

شیخوپورہ ضلع کے احباب کی شرکت سات نومبر کو شروع ہونے والے اجتماع میں ہوگی جو چار روز تک جاری رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہماری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ وقت نکال کر اس میں شریک ہوں اور دوسرے دوستوں کو بھی دعوت دیں۔ دنیا بھر سے آنے والے مسلمانوں اور علماء کرام سے ملاقات ہوگی، بزرگوں کی زیارت ہوگی، تین چار روز خیر کے اعمال میں گزریں گے، اور لاکھوں مسلمانوں کی اجتماعی دعاؤں میں شرکت ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ دعوت بھی ہم دے رہے ہیں کہ دو تین روز سے طوبیٰ مسجد میں گوجرانوالہ کے علماء کرام کی جماعت ٹھہری ہوئی ہے، آج شام تک اس کی مصروفیات رہیں گی اور مغرب کے بعد عمومی بیان ہوگا۔ وکلاء برادری سے گزارش ہے کہ وقت نکال کر اس میں بھی تشریف لائیں اور اپنے مہمانوں کی نصرت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کارِ خیر میں شریک ہوں۔

وکلاء حضرات کی خدمت میں!

اس کے بعد میں اپنے وکیل بھائیوں سے ایک بات اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ملک پاکستان میں عام طور پر دو قسم کے قوانین اور احکام پر عمل ہوتا ہے:

1. حکم و قانون کا ایک نظام وہ ہے جو ریاستی اور قانونی طور پر نافذ ہے اور پورے ملک میں اس پر لوگ عمل کرتے ہیں،
2. جبکہ احکام و قوانین کا ایک نظام وہ ہے جو قرآن و سنت اور شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں، عام مسلمان اس پر بھی عمل کی کوشش کرتے ہیں، جو بحیثیت مسلمان ان کی دینی ذمہ داری اور فریضہ ہے۔

بسا اوقات ان دونوں نظاموں کے قوانین پر بیک وقت عمل کرنے میں دشواری پیش آتی ہے جس سے نہ صرف الجھنیں جنم لیتی ہیں بلکہ ہمارے بیشتر معاشرتی مسائل و مشکلات کی بڑی وجہ یہی ہے۔ اس کا اصل حل تو یہ ہے کہ ریاستی سطح پر دونوں نظاموں کو یکجا کیا جائے اور قیامِ پاکستان کے مقصد کے ساتھ ساتھ دستورِ پاکستان کی تصریحات کے مطابق ریاستی و حکومتی سطح پر قرآن و سنت اور شریعتِ اسلامیہ کا نظام نافذ کیا جائے، جو بار بار کے اعلانات اور وعدوں کے باوجود نہیں ہو رہا۔ ریاستی و حکومتی قوانین کے ماہرین وکلاء کو سمجھا جاتا ہے، اور اسلامی و شرعی نظام کے ماہرین علماء کہلاتے ہیں۔ میرے نزدیک ان

دونوں کے درمیان باہمی تعاون، مفاہمت اور اشتراک کی فضا انتہائی ضروری ہے۔ جو موجود نہیں ہے بلکہ بے اعتمادی، مغالطوں اور ایک دوسرے سے بیگانگی اور دوری کا ماحول ہر سطح پر پایا جاتا ہے جو معاشرہ کے لیے میرے نزدیک زہرِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے ختم کرنا اور دونوں طبقوں کے درمیان باہمی اشتراک و تعاون کی فضا قائم کرنا ہماری دینی اور قومی ضرورت ہے، ملکی سطح پر نفاذِ اسلام کے لیے بھی یہ ضروری ہے اور پرائیویٹ سطح پر لوگوں کی راہنمائی کے لیے بھی ضروری ہے۔ میں علماء کرام اور وکلاء دونوں سے عرض کیا کرتا ہوں کہ وہ آپس میں مشاورت، تعاون اور اشتراکِ عمل کا کوئی راستہ ضرور نکالیں اور مل جل کر کام کرنے کی صورتیں پیدا کریں، ورنہ ہم ملک و قوم اور معاشرہ کو کنفیوژن اور تضادات سے نجات نہیں دلا سکیں گے اور نہ ہی قیامِ پاکستان کے مقصد کی تکمیل ہو سکے گی۔

چنانچہ وکلاء برادری کے ساتھ آج کی اس ملاقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اپنی یہ دعوت اور پیغام ایک بار پھر دہرا رہا ہوں۔ اس مجلس میں وکلاء کے ساتھ ساتھ سرکردہ علماء کرام بھی موجود ہیں، میری دونوں سے درخواست ہے کہ وہ اس گزارش پر سنجیدگی سے غور کریں، بار اور مدرسہ کو اکٹھے بٹھانے کا اہتمام کریں، جس طرح ملک کے قانونی نظام کو صحیح طور پر چلانے کے لیے بار اور بینچ کا باہمی تعاون ضروری ہے اسی طرح بار اور دارالافتاء کا باہمی تعاون و اشتراک بھی ہماری اہم ترین ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ ہم ایسا ماحول قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۳ نومبر ۲۰۱۹ء)

مرکزی جامع مسجد کامونکی کا سہ روزہ

۳۰/نومبر تا ۲ دسمبر ۲۰۲۰ء کو تبلیغی جماعت کے ساتھ سالانہ سہ روزہ کی ترتیب بن گئی اور مرکزی جامع مسجد کامونکی میں تشکیل ہوئی۔ اس دوران مختلف بیانات، متعدّد شخصیات سے ملاقاتوں، اور دینی اداروں میں حاضری کے علاوہ تبلیغی جماعت کی ایک شورائی نشست میں مشورہ کی اہمیت کے حوالے سے مختصر گفتگو کا بھی موقع ملا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

باہمی مشاورت کی ضرورت و اہمیت

بعد الحمد والصلوۃ۔ مشورہ اور شورائی نظام و ماحول اسلام کے امتیازات میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خصوصیات میں اس بات کا قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے کہ "وامرھم شوریٰ بینھم" ان کے معاملات باہمی مشاورت کے ساتھ طے ہوتے ہیں۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا سلسلہ جاری تھا اور آپؐ کو بظاہر مشورہ کی ضرورت نہیں تھی مگر آپؐ کے لیے بھی حکمِ خداوندی یہ تھا کہ "وشاورھم فی الامر" آپ مسلمانوں سے اپنے معاملات میں مشاورت کرتے رہیں۔ اس لیے جناب رسول اللہ کا زندگی بھر معمول رہا کہ درپیش معاملات میں زیادہ تر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مشاورت کا اہتمام فرماتے تھے، اور جن امور میں وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا ان کے فیصلے باہمی مشاورت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی مشاورت کے بیسیوں واقعات احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے دو کا تذکرہ کر رہا ہوں تاکہ مشورہ کی ضرورت اور اس کی اہمیت و حیثیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے آجائے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کیلئے مشاورت

غزوۂ بدر اسلام کا فیصلہ کن معرکہ تھا جس کے بعد دو مسئلے سامنے آئے۔ ایک یہ کہ جنگ میں جو

غنیمت حاصل ہوئی ہے اس کا کیا کرنا ہے؟ گزشتہ شریعتوں میں جہاد سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کو استعمال میں لانا درست نہیں تھا اور اسے کھلے میدان میں جمع کر کے آگ کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ جبکہ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ "احلت لی الغنائم" مجھے جو امتیازی امور عطا کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ غنیمت میرے لیے یعنی امتِ مسلمہ کے لیے حلال کر دی گئی ہے اور اسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بدر کے موقع پر حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں سوال پیدا ہوا تو قرآن کریم کی آیات وحی کے طور پر نازل ہوگئیں کہ پانچواں حصہ بیت المال کے لیے الگ کر کے باقی مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔

دوسرا مسئلہ جنگی قیدیوں کے بارے میں تھا کہ بدر میں ستر افراد قید ہوئے تھے، اس کا فیصلہ آنحضرتؐ نے مشاورت کے ذریعے کیا، غزوۂ بدر میں شریک حضرات سے آپؐ نے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے۔ بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے پر ہوا کہ سب قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا گیا۔ اس فیصلہ پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تنبیہ فرمائی جیسا کہ سورہ الانفال کی آیات ۶۷، ۶۸، ۶۹ میں ہے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دینا چاہیے تھا۔ ان آیات کو حضرت عمرؓ کے موافقات میں شمار کیا جاتا ہے یعنی جن آیاتِ مبارکہ میں حضرت عمرؓ کی کسی رائے کی تائید کی گئی ہے۔ لیکن یہاں یہ بات بطور خاص قابلِ توجہ ہے کہ تنبیہ کے باوجود فیصلہ وہی نافذ ہوا جو مشورہ میں طے ہوا تھا، اسے تبدیل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "فکلوا مما غنمتم حلالاً طیبا" یہ مال جو حاصل ہوا ہے حلال و طیب ہے اسے کھاؤ۔ اس سے مشورہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ جو بات مشورہ میں طے ہو جائے اگرچہ بظاہر ناپسندیدہ ہو مگر عمل اسی پر ہونا چاہیے۔

غزوۂ اُحد کی دفاعی حکمتِ عملی کیلئے مشاورت

دوسرا واقعہ غزوۂ احد کا ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ مکہ مکرمہ سے قریش کا لشکر مدینہ منورہ پر حملہ کے لیے روانہ ہو گیا ہے تو صحابہ کرامؓ کو مشورہ کے لیے مسجد میں جمع کیا اور اس پر مشورہ چاہا کہ ہمیں مدینہ منورہ کے اندر محصور ہو کر دفاعی جنگ لڑنی چاہیے یا میدان میں نکل کر کھلا مقابلہ کرنا

چاہیے۔ خود حضورؐ نے مدینہ منورہ میں رہ کر دفاعی جنگ لڑنے کی رائے دی، مگر چونکہ مشاورت تھی اس لیے جو لوگ میدان میں جا کر کھلے مقابلہ کے حق میں تھے مجلس نے ان کی رائے کو مان لیا اور فیصلہ ہوا کہ مدینہ منورہ سے نکل کر کھلے میدان میں قریش کے لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ مگر اس کے بعد جب میدان جنگ میں نکلنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، بعض حضرات کو خیال ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کھلے میدان میں نکلنے کی نہیں تھی تو ہم نے اس کے خلاف رائے دے کر غلطی کی ہے اس لیے ہمیں اپنی رائے واپس لینی چاہیے۔ چنانچہ وہ حضرات آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اپنی رائے پر ندامت کا اظہار کیا اور گزارش کی کہ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں، آپ مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کا فیصلہ واپس لے لیں۔ جس پر جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہتھیار باندھنے کے بعد جنگ کیے بغیر اتارا نہیں کرتے، جس کا مطلب یہ تھا کہ جو فیصلہ مشورہ میں ہو چکا ہے اس پر عمل ہو گا اور اسی کے مطابق اپنے لشکر کو لے کر آپؐ مدینہ سے باہر اُحد کے دامن میں جا کر مورچہ زن ہو گئے۔

یہ واقعہ بھی یہ سبق دیتا ہے کہ مشورہ میں جو طے ہو جائے اسی پر عمل کرنا چاہیے اور اگر فیصلہ ہو جانے کے بعد کسی کی رائے بدل جائے تو وہ فیصلہ پر اثر انداز نہیں ہو گی۔ البتہ یہاں ایک بات طالبعلمانہ طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاورت کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے عملی طور پر یہ صورت اختیار فرمائی کہ آبادی سے نکل کر اُحد کے دامن میں رک گئے جس سے مدینہ منورہ سے نکل کر کھلے میدان میں جانے کی بات پوری ہو گئی، جبکہ آبادی سے زیادہ دور بھی نہیں گئے تاکہ آبادی کی پشت پناہی اور تعاون حاصل ہوتا رہے، یہ جناب نبی کریمؐ کی حکمتِ عملی تھی۔

مشورہ کی اہمیت اور مشاورتی فیصلہ پر عملدرآمد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بھی بہت سے ارشادات و واقعات تاریخ میں موجود ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ باہمی مشاورت مسلمانوں کی ایک نمایاں خصوصیت اور اسلام کے نظام اجتماعی کا اہم شعبہ ہے، جس کی برکات و ثمرات اور منطقی نتائج واضح ہیں۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کے فیصلوں کی بنیاد بھی اکثر و بیشتر مشاورت پر ہوتی تھی اور آج بھی ہمارے لیے محفوظ اور بابرکت راستہ یہی ہے۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد۔ ۹ دسمبر ۲۰۲۰ء)

اعتراضات و توقعات کا جائزہ

''فضائل اعمال'' پر اعتراضات کا علمی جائزہ

(۲۰۱۲ء میں جدہ سعودی عرب میں علماء کرام کی ایک نشست سے گفتگو)

..... اجلاس میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ تبلیغی جماعت کے دعوتی نصاب ''فضائل اعمال'' پر مختلف حلقوں کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات بھی زیر بحث آئے اور ان کے جواب کی حکمت عملی پر غور ہوا۔ میں خاموشی کے ساتھ بحث سنتا رہا لیکن مجھے بھی کچھ عرض کرنے کے لیے کہا گیا تو میں نے اس حوالہ سے دو گزارشات پیش کیں۔

ضعیف احادیث اور جمہور محدثین

ایک یہ کہ ہمیں اس اصولی بحث کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ ضعیف احادیث کسی درجہ میں قابلِ قبول ہیں یا انہیں بالکل ہی مسترد کر دینا چاہیے؟ ہمارا موقف یہ ہے کہ ضعیف احادیث کو کلیتًا مسترد کر دینا درست نہیں ہے اور وہ فضائل اعمال میں قابلِ قبول چلی آ رہی ہیں۔ یہ صرف ہمارا موقف نہیں ہے بلکہ امت کے جمہور محدثین کا موقف ہے، اور ان محدثین کا بھی یہی موقف ہے جنہوں نے حدیث اور روایت کی صحت کے لیے سخت معیار قائم کیا ہے اور کڑی شرائط عائد کی ہیں۔ مثلاً امام بخاریؒ کی شرائط کو سب سے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے صحیح بخاری کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کہا جاتا ہے۔ لیکن الجامع الصحیح سے ہٹ کر باقی تصانیف میں امام بخاریؒ نے اس معیار کی پابندی نہیں کی، حالانکہ وہ کتابیں بھی انہوں نے امت کے استفادہ کے لیے ہی لکھی ہیں اور امتِ مسلمہ کے اہلِ علم ان سے مسلسل استفادہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ''الادب المفرد'' کو دیکھ لیں، وہ بھی امام بخاریؒ کی تصنیف ہے لیکن اس کا معیار صحیح بخاری والا نہیں ہے۔ اسی طرح امام شمس الدین ذہبیؒ بھی حدیث اور سند کے نقادوں میں سے ہیں اور ان کا نقد کا معیار بہت مضبوط ہے لیکن جس معیار پر وہ احادیث کو پرکھتے ہیں

اور ان کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ان کی اپنی کتاب ''الکبائر'' کا وہ معیار نہیں ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کے ہاں ضعیف احادیث کلیتاً مسترد کرنے کے قابل نہیں ہیں بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں وہ ضرور قبول کی جاتی ہیں اور محدثین کا یہی موقف امت میں متواتر چلا آرہا ہے۔

احناف کا طرز استدلال

دوسری بات یہ کہ احادیث سے استدلال کے بارے میں احناف کا طرز کیا ہے اور ان کے ہاں اس کی درجہ بندی کیا ہے؟ یہ بات بھی ہمیں نظر انداز نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارا استدلال کا اپنا ایک نظام ہے اور علمی و فقہی ڈھانچہ ہے جس کے اندر رہ کر ہم احادیث کی درجہ بندی کرتے ہیں اور اسی کے دائرے میں احادیث سے استدلال و استنباط کرتے ہیں۔ مثلاً ایک پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ ہم عام طور پر حافظ ابن حزمؒ کے ایک قول کا حوالہ دیا کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس پر ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ احناف کے ہاں ضعیف حدیث پر عمل ہوتا ہے، اور اعمال میں بھی وہ اس درجہ میں قابلِ قبول ہے کہ اسے بسا اوقات قیاس پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔

سند کا ضُعف دور کرنے کے دیگر ذرائع

پھر یہ ضروری تو نہیں کہ جس حدیث کو ایک محدث ضعیف کہہ دیں تو وہ لازماً ضعیف ہی ہو۔ اور جس سند کے ساتھ حدیث کو ضعیف قرار دیا جا رہا ہے کسی دوسری سند یا سبب کے ساتھ وہ حدیث صحت کا درجہ حاصل نہ کر سکتی ہو۔ سند کے ضُعف کا خلا پُر کرنے کے لیے بہت سے دیگر اسباب بھی موجود ہیں اس لیے یہ کہہ دینا کہ کوئی بھی ضعیف حدیث کسی درجہ میں بھی قابل قبول نہیں، درست بات نہیں ہے۔ ہمیں اس کمزور موقف سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنے علمی اور متوارث موقف پر قائم رہتے ہوئے اس کا دفاع کرنا چاہیے۔

میری گزارش یہ ہے کہ حنفی علماء کرام کو احادیث سے استدلال کے حوالہ سے اپنے علمی اور فقہی موقف سے واقف ہونا چاہیے اور اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ فقہائے احناف نے ہر دور میں اس پر بات کی ہے اور اپنا علمی موقف واضح کیا ہے۔ اگر تفصیلی مطالعہ اور استفادہ کا موقع نہ مل سکے تو ہمارے فاضل دوست مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے نماز کے بارے میں صاحبزادہ قاری عبد الباسط صاحب آف

جدہ کی کتاب پر جو مقدمہ تحریر کیا ہے وہ بہت جامع تحریر ہے اور اس موضوع پر احناف کے مجموعی موقف اور طرز استدلال کا کم و بیش احاطہ کرتی ہے۔ میرے خیال میں اس کا مطالعہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہر عالمِ دین کے لیے ضروری ہے بلکہ اگر اسے درسِ نظامی کے نصاب میں طلبہ کو طحاوی شریف کے ساتھ سبقاً سبقاً پڑھا دیا جائے تو اس کا بہت فائدہ ہوگا۔

میں نے اصولی طور پر یہ بات عرض کی کہ ضعیف حدیث کے قابلِ استدلال ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بعض متشدد دین کے موقف سے مرعوب ہونے اور اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے یا اس کی بنیاد پر کیے جانے والے اعتراضات کو من وعن قبول کر کے دفاعی پوزیشن اختیار کر لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہنے اور کمزور اعتراضات کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات چونکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب ''فضائلِ اعمال'' کے بارے میں ہو رہی ہے اس لیے اس کتاب کی افادیت کے ایک اور پہلو کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

تبلیغی جماعت اور ''فضائلِ اعمال''

گزشتہ دنوں جرمنی کے ایک اسکالر نے جن کا نام مشکل ہونے کی وجہ سے اس وقت میرے ذہن میں نہیں آ رہا، اپنی ایک تحقیق اور ریسرچ کا موضوع اس بات کو بنایا کہ برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں ۱۸۵۷ء کے بعد جو نئے فقہی اور مسلکی حلقے وجود میں آئے اور اہلِ سنت میں دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث کے نام سے جو نئی تقسیم ہوئی، ان میں سے کون سے فقہی مسلکی دائرے نے عالمگیریت اختیار کی ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ اہلِ حدیث اور بریلوی دنیا کے مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں اور کام کر رہے ہیں لیکن یہ انہی افراد اور خاندانوں پر مشتمل ہیں جو جنوبی ایشیا سے ترکِ وطن کر کے ان ممالک میں آباد ہوئے ہیں جبکہ جنوبی ایشیا کے نسلی دائرہ سے باہر وہ اپنا حلقہ نہیں بنا سکے۔ لیکن دیوبندی مکتبِ فکر نے جنوبی ایشیا کے نسلی اور قومی دائروں سے ہٹ کر بھی اثر و رسوخ قائم کیا ہے اور اپنا حلقہ وسیع کیا ہے۔ اس لیے ان میں سے صرف دیوبندی حلقہ عالمگیریت اور انٹرنیشنل ماحول میں قدم رکھنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ اس جرمن اسکالر کا موقف ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ دیوبندی دائرہ میں اس وسعت کا بڑا سبب تبلیغی جماعت اور اس کے ساتھ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی کتاب ''فضائلِ اعمال'' ہے جو غیر

ایشیائی نسلوں اور قوموں میں اسلام کے ساتھ ساتھ دیوبندیت کے فروغ کا ذریعہ بھی بنی ہے۔ یہ جرمن اسکالر چند ماہ قبل اسلام آباد تشریف لائے تھے اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ دعوۃ اکیڈمی کے زیر اہتمام ایک سیمینار سے خطاب کے دوران انہوں نے یہ موقف پیش کیا تھا۔ اس لیے گھبرانے کی بات نہیں ہے، فضائلِ اعمال جہاں بعض اعتراضات کا ہدف بن رہی ہے وہاں اس کی افادیت اور کردار کو بھی بین الاقوامی حلقوں میں کھلے دل کے ساتھ تسلیم کیا جارہا ہے۔

(روزنامہ اسلام، لاہور-۲۴ جولائی ۲۰۱۲ء)

ڈیلی ٹیلی گراف کا الزام اور اعتراف

''ڈیلی ٹیلیگراف'' برطانیہ کا بڑا اخبار ہے جو دنیا کے بڑے اخباروں میں شامل ہے، لندن سے چھپتا ہے۔ پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے، میں ان دنوں لندن میں تھا، برمنگھم میں سالانہ عالمی ختمِ نبوت کانفرنس ہورہی تھی۔ عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کے زیر اہتمام سالانہ عالمی ختم نبوت کانفرنس اب بھی ہوتی ہے، میں کم وبیش بیس پچیس سال مسلسل اس میں جاتا رہا ہوں۔ کانفرنس سے کچھ دن پہلے اخبار نے ایک رپورٹ چھاپی کہ دنیا میں شر کے مراکز اور سرچشمے کون سے ہیں؟ پوری تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا، رسول، قیامت، جنت، دوزخ، مابعد الموت زندگی کا تصور شر ہے، اور دنیا میں یہ شر جنوبی ایشیا کے دینی مدارس پھیلا رہے ہیں۔ دنیا میں جہاں بھی کوئی ایسا مرکز ہے جہاں یہ باتیں ہوتی ہیں تو وہاں جنوبی ایشیا کے دینی مدارس کا تعلیم یافتہ یا ان کا کوئی شاگرد بیٹھا ہوا ہے۔ یہ قرآن وسنت، شریعت، قبر حشر کی باتیں کرتے ہیں۔ اس رپورٹ میں یہ لکھا تھا کہ شر کے ان مراکز کے دو ہیڈ کوارٹر ہیں۔ پورے صفحے کی رپورٹ میں پیشانی پر ان دونوں جگہوں کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک بستی نظام الدین کے تبلیغی مرکز کی تصویر، اور دوسری دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث کی تصویر۔

جب وہ رپورٹ چھپی، اتفاق کی بات ہے کہ اس کے چند دن بعد برمنگھم میں ختم نبوت کانفرنس تھی۔ تین چار مقررین نے بازو چڑھا کر اس کے خلاف تقریر کی کہ تم نے یہ کہا، کیوں کہا، تم نے ان کو شر کے سرچشمے کیوں قرار دیا۔ اتفاق سے اس کے بعد میری باری آگئی تو میں نے کہا میں ٹیلیگراف کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ تمہاری بڑی مہربانی اور شکریہ، تم نے بہت اچھا کیا۔ مجھے تمہاری رپورٹ سے اتفاق ہے کہ جس کو تم شر کہتے ہو اس کے دو سرچشمے ہیں، لیکن ایک فرق کے ساتھ کہ ایک مینوفیکچرر ہے یعنی دارالعلوم دیوبند اور دوسرا ڈسٹری بیوٹر ہے یعنی بستی نظام الدین جو کہ پوری دنیا کو ڈسٹری بیوٹ کررہا ہے۔ میں نے کہا میں تم سے بالکل اتفاق کرتا ہوں تم نے بالکل ٹھیک تجزیہ کیا ہے، میں تمہارا اس بات پر

شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے دنیا پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ تمہاری لڑائی کس سے ہے اور تمہارے راستے میں رکاوٹ کون ہے؟ تم جو دنیا بھر میں دہریت، خدا کا انکار، خدا کی نافرمانی اور آسمانی تعلیمات سے انحراف کی اپنی تہذیب لانا چاہتے ہو، تم نے دنیا کو بتا دیا ہے کہ تمہارے راستے میں رکاوٹ کون ہے؟ میں اس کی نشاندہی پر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مدرسہ کیا ہے؟ علامہ اقبالؒ کی زبان میں یہ وہ درسگاہ ہے کہ جس کے بغیر ہندوستان کا حال بھی اسپین والا ہو جائے گا، اور ڈیلی ٹیلگراف کی زبان میں مدرسہ آج کی تہذیبی یلغار کے مقابلے میں ناقابلِ تسخیر مورچہ ہے۔ آج کی فکری، تہذیبی، اعتقادی اور فلسفے کی جنگ کے مقابلے میں وہ مورچہ جسے آج تک فتح نہیں کیا جا سکا اور ان شاء اللہ قیامت تک فتح نہیں کیا جا سکے گا، اللہ تعالیٰ اس مورچے کو قائم رکھیں، آمین۔

(۱۳ نومبر ۲۰۲۲ء کو مرکز الفاروقؓ وڈالا سندھواں ضلع سیالکوٹ میں خطاب سے اقتباس)

برطانیہ کے مذہبی حلقوں میں ان دنوں ''ڈیلی ٹیلی گراف'' کی ایک رپورٹ کا بہت چرچا ہے جو انگلش کے اس معروف اخبار نے دو ہفتے قبل مذہبی حلقوں کے تجزیے کے حوالے سے شائع کی ہے۔ اس رپورٹ میں خاص طور پر دیوبندی مکتبِ فکر کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے فروغ میں اس جماعت کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ رپورٹ میں طالبان کی تحریک کا بطور خاص حوالہ دیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ برطانیہ میں آباد مسلمانوں کا کم و بیش بیس فیصد حصہ دیوبندیوں پر مشتمل ہے اور یہ مذہبیت اور بنیاد پرستی کو پھیلانے میں سب سے پیش پیش ہیں۔ رپورٹ میں تبلیغی جماعت اور دیوبندی مدارس کا تذکرہ بھی اسی پس منظر میں کیا گیا ہے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ افغانستان میں شکست کے بعد سوویت یونین کے بکھر جانے اور کمیونزم کی پسپائی کے نتیجے میں امریکہ واحد سپر پاور کے نعرے کے ساتھ سامنے آیا ہے، مغربی ممالک کم و بیش سب کے سب اس کے ساتھ ہیں، اور کمیونزم کے بعد مغربی قوتوں نے اسلام کو اپنا سب سے بڑا حریف قرار دے کر اسلام اور دیندار مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ چنانچہ کمیونزم کے خلاف قائم ہونے والے مغربی ممالک کے فوجی اتحاد ''نیٹو'' کو باقی رکھنے کا جواز اس کے ایک سابق سیکرٹری جنرل نے یہی پیش کیا ہے کہ ''ابھی اسلام باقی ہے''۔

عالمِ اسلام کے ساتھ اس محاذ آرائی میں مغرب اپنی ترجیحات واضح کرتا جارہا ہے:

- پہلے یہ کہا گیا کہ عالمِ اسلام کے مذہبی حلقے، عسکری تحریکات، اور نفاذِ اسلام کی داعی جماعتیں ہماری حریف ہیں۔
- پھر یہ تاثر دیا گیا کہ جنوبی ایشیا (پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش) کے دینی مدارس و مراکز اس بنیاد پرستی کا سرچشمہ ہیں۔
- اور اب بات اس رخ پر آگے بڑھ رہی ہے کہ مغرب کے بقول "فساد" کی اصل جڑ دیوبندی مکتبِ فکر ہے، اور اسلامی تحریکات اور مذہبی جوش و خروش پر قابو پانے کے لیے سب سے پہلے دیوبندیوں سے نمٹنا ہوگا۔ اور ہمارے نزدیک ڈیلی ٹیلی گراف کی مذکورہ رپورٹ اسی مہم کا ایک حصہ ہے۔

راقم الحروف نے ۱۰ اگست ۱۹۹۷ء کو مرکزی جامع مسجد بنگھم میں عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی بارہویں سالانہ عالمی ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کے دوران اس رپورٹ کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے یہ عرض کیا ہے کہ اس رپورٹ کا مطالعہ اسلام اور مغرب کی عالمی کشمکش کے تناظر میں کیا جائے، اور اس کی روشنی میں اپنے اہداف اور ترجیحات کا تعین کیا جائے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ رپورٹ دیوبندی جماعت کے لیے ایک تمغہ اور کریڈٹ ہے جو اسلام اور کفر کے معرکے میں دیوبندیوں کے اصل مقام کا تعین کرتی ہے، اور انہیں ان کا یہ بھولا ہوا سبق یاد دلاتی ہے کہ امام ولی اللہ دہلویؒ، امیر المومنین سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے نام لیواؤں کی اس جماعت کا اصل ہدف اسلام کا غلبہ و نفاذ اور عالمی استعمار کا مقابلہ ہے۔ اس لیے اس قسم کی رپورٹوں سے مرعوب یا محجوب ہونے کی بجائے حوصلہ اور جرأت کے ساتھ ان کا سامنا کرنا ہوگا اور ہوشمندی اور تدبر کے ساتھ اپنی ترجیحات کا از سرِ نو جائزہ لینا ہوگا۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - ستمبر ۱۹۹۷ء)

صدر پاکستان اور تبلیغی جماعت

روزنامہ نوائے وقت لاہور کی ۱۸ نومبر ۱۹۹۵ء کی رپورٹ کے مطابق صدر پاکستان سردار فاروق احمد خان لغاری نے رائے ونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماع میں شرکت کی اور تبلیغی جماعت کے اکابر سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ علماء کراچی میں امن اور محبت کا پیغام پھیلائیں اور قتل وغارت کو رکوانے کے لیے مؤثر کردار ادا کریں۔ اس کے جواب میں تبلیغی قائدین نے صدر محترم سے گزارش کی کہ کراچی کے حالات ہماری بداعمالیوں کی سزا ہیں، اس لیے آپ پوری قوم سے توبہ کی اپیل کریں۔

ہمارا خیال ہے کہ تبلیغی اکابر نے کراچی کے حالات کے حوالے سے قومی صورتحال کا بالکل صحیح تجزیہ صدر مملکت کے سامنے پیش کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت کراچی اور ملک کے دیگر حصوں میں قتل وغارت اور لوٹ مار کے علاوہ قومی معاملات میں روز بروز بڑھتی ہوئی غیر ملکی مداخلت کا جو نقشہ ہمارے سامنے ہے، وہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی کے مطابق عذابِ خداوندی کی عملی شکل ہے۔

مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۴۰ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ایک مفصل روایت مذکور ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی شامل ہے کہ

> ”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیں گے، اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلط کر دے گا۔“
>
> ”جب مسلمانوں کے حکمران اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرنا چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں خانہ جنگی سے دوچار کر دے گا۔“

- ہم نے بحیثیت قوم اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ پاکستان میں قرآن وسنت کی حکمرانی قائم کریں گے لیکن گزشتہ پچاس برس میں ہم نے وہ وعدہ پورا نہیں کیا، اور نہ اب تیار نظر آتے ہیں۔

- اسی طرح ہمارے حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرنے کی بجائے انگریزی قوانین اور امریکی پالیسیوں کو اپنے فیصلوں کی بنیاد بنائے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ہم پر دشمن کا تسلط دن بدن سخت ہوتا جارہا ہے، اور باہمی قتل وغارت کا بازار بھی گرم سے گرم تر ہورہا ہے۔

اس لیے ہمیں قومی سطح پر اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرتے ہوئے اجتماعی توبہ و استغفار اور قرآن و سنت کی عملی حکمرانی کا اہتمام کرنا ہوگا، ورنہ دشمن کے تسلط اور خانہ جنگی سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ خدا کرے کہ یہ حقیقت ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کی سمجھ میں جلد آجائے۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - اجنوری ۱۹۹۶ء)

حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ کی ہدایت

گزشتہ دنوں پاکستان کے اپوزیشن لیڈر میاں محمد نواز شریف نے ملک میں ''خلافتِ راشدہ'' کا نظام رائج کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تو حکمران پارٹی کی طرف سے ان سے سوال کیا گیا کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں خلافتِ راشدہ کا نظام کیوں رائج نہیں کیا؟ اور اس کے ساتھ ہی اس خدشہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ خلافتِ راشدہ کا نظام رائج کرنے کے لیے چونکہ مروجہ نظام اور سسٹم کا خاتمہ ضروری ہے اس لیے یہ نعرہ مروجہ سسٹم کو ختم کرنے کے لیے سازش کے طور پر لگایا جا رہا ہے۔

جہاں تک مروجہ نظام کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے نظام یا کسی بھی اور اصلاحی نظام کے نفاذ کے لیے اس نظام کا خاتمہ ضروری ہے اور مروجہ سسٹم کے مکمل خاتمہ کے بغیر نہ یہاں اسلام آسکتا ہے اور نہ ہی قومی زندگی کے کسی شعبہ میں اصلاحِ احوال کی کوئی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اسی انقلاب کو "فک کل نظام" سے تعبیر کیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا میں مروجہ تمام نظاموں کا خاتمہ ضروری ہے تاکہ اسلامی نظام مکمل طور پر انسانی معاشرہ میں نافذ ہو سکے۔

البتہ یہ بات ضرور محل نظر ہے کہ خلافتِ راشدہ کا نظام نافذ کن لوگوں کے ہاتھوں ہو گا اور کیا ملک کے موجودہ سیاستدان اس کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ سے راقم الحروف نے خود سنا کہ تبلیغی جماعت کے سربراہ حضرت مولانا محمد یوسف دہلویؒ نے ڈھاکہ میں علماء کرام کے ایک خصوصی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے پہلے رجال کار تیار کریں کیونکہ جن لوگوں سے آپ نفاذ اسلام کا مطالبہ کر رہے ہیں ان میں اس کی صلاحیت ہی نہیں ہے، ان لوگوں سے اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی جنبی سے کہا جائے کہ وہ نماز پڑھا دے، اول تو وہ مصلے پر کھڑا نہیں ہو گا، اور اگر لوگوں کے زور دینے

پر کھڑا ہو بھی گیا تو نماز کسی کی بھی نہیں ہوگی۔

صحیح بات یہ ہے کہ ہم آج کل اسی قسم کی صورتحال سے دوچار ہیں۔ اسلام اور خلافتِ راشدہ کا مقدس نام گزشتہ نصف صدی سے اقتدار کے حصول یا اس کے تحفظ کے لیے تو مسلسل استعمال ہو رہا ہے لیکن اس کی عملداری کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش آج تک سامنے نہیں آئی۔ اور اگر کسی وقت کوئی جزوی کام اسلامائزیشن کے حوالے سے ہوا بھی ہے تو تربیت وصلاحیت کے فقدان کے باعث وہی جنبی کے نماز پڑھانے والی بات ہو کر رہ گئی ہے۔ اس لیے دینی حلقوں کو چاہیے کہ خلافتِ راشدہ اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے عام لوگوں کی ذہن سازی اور رجال کار کی تیاری کی طرف توجہ دیں اور ان مقدس اصطلاحات کو اقتدار اور دولت کے رسیا سیاستدانوں کا "بازیچۂ اطفال" بننے سے بچائیں۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

دعوتِ دین اور جدید ذرائع ابلاغ

حاجی محمد بوستان صاحب تبلیغی جماعت کے سرکردہ حضرات میں سے ہیں اور میرپور آزاد کشمیر سے ان کا تعلق ہے۔ ایک عرصہ سے برطانیہ کے شہر شیفیلڈ میں رہائش پذیر ہیں، عالمی سطح پر تبلیغی اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں، خود عالم دین نہیں مگر علماء کی مجالس میں بیٹھتے ہیں اور دعوت و تبلیغ اور دینی تعلیم کے مسائل پر اپنی رائے رکھتے ہیں۔ انہوں نے میرپور آزاد کشمیر میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کر رکھی ہے جس میں دورۂ حدیث تک کے اسباق ہوتے ہیں اور وہ شیفیلڈ میں بیٹھ کر اس دینی مدرسہ کو کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ سال میں ایک دو دفعہ پاکستان آتے ہیں اور جامعہ سے متعلقہ ضروری امور کو نمٹا کر واپس چلے جاتے ہیں۔

گزشتہ دنوں حاجی صاحب نے فون پر راقم الحروف سے رابطہ کیا اور بتایا کہ وہ اس جامعہ میں طلبہ کے لیے کمپیوٹر کلاس کا اجرا کر رہے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ میں اس موقع پر میرپور آکر جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے کمپیوٹر سنٹر کے افتتاح کی رسم ادا کروں اور اس کے ساتھ ہی اساتذہ، طلبہ اور دیگر شرکاء کی تقریب میں کمپیوٹر اور دیگر جدید ذرائع کی اہمیت کے عنوان پر اظہار خیال بھی کروں۔ چنانچہ ان کی دعوت پر ۹ مئی کو میرپور جانے کا اتفاق ہوا۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے ایک کشادہ کلاس روم میں کمپیوٹرز کی فراہمی کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اور ان کے اساتذہ کے لیے کمپیوٹر ٹریننگ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ راقم الحروف نے بٹن دبا کر اس پروگرام کا افتتاح کیا، جبکہ کمپیوٹر نے شرکاء محفل کو سورۃ الفاتحہ سنا کر اور اسکرین پر اس کی کتابت دکھا کر تقریب کا آغاز کیا۔ تقریب میں جامعہ کے اساتذہ و طلبہ کے علاوہ شہر کے متعدّد سرکردہ حضرات بھی شریک تھے۔

حاجی بوستان صاحب نے تمہیدی گفتگو میں کہا کہ ان کی یہ خواہش ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور دینی تعلیم و تربیت کے شعبہ میں ابلاغ کے جدید ترین ذرائع سے استفادہ کیا جائے اور شرعی احکام کے

دائرہ میں رہتے ہوئے ابلاغ کے ہر میسر ذریعہ کو استعمال میں لایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اسی مقصد کے لیے انہوں نے کمپیوٹر کلاس کا اہتمام کیا ہے تاکہ جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ یہ ٹریننگ حاصل کریں اور اسے استعمال میں لانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اس سنٹر میں انٹرنیٹ کی سہولت بھی فراہم کرنا چاہتے ہیں لیکن میرپور میں ٹیلی فون کا ڈیجیٹل ایکسچینج نہ ہونے کی وجہ سے سرِدست یہ ممکن نہیں ہے۔

راقم الحروف نے اپنی گفتگو میں جس نکتہ پر سب سے زیادہ زور دیا وہ یہ تھا کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے ہر دور میں ابلاغ کے ہر میسر ذریعہ کو اختیار کرنا، مخاطب کی نفسیات کو ملحوظ رکھ کر گفتگو کرنا، اور گفتگو کے مروجہ اسلوب سے استفادہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی پیغام اور دعوت مخاطب لوگوں کے ذہنوں تک رسائی حاصل نہیں کر پاتی۔ اور اس سلسلہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ میں ہمیں واضح راہنمائی ملتی ہے۔

مثلاً مکہ مکرمہ میں آنحضرتؐ نے بت پرستی اور شرک کے خلاف آواز اٹھائی اور کلمہ توحید بلند کیا تو مخالفت کا بازار گرم ہو گیا۔ اس دوران قریش کے سرکردہ حضرات کا ایک وفد نبی اکرمؐ کے پاس آیا اور کہا کہ آپؐ جو دعوت دے رہے ہیں ہم اس کی غرض سمجھنا چاہتے ہیں کہ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کے جواب میں نبی اکرمؐ نے جو ارشاد فرمایا اس پر غور کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا:

> ”میں ایک کلمہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں اگر تم اسے قبول کر لو تو عرب پر تمہاری حکمرانی ہوگی اور عجم بھی تمہارے تابع ہوگا۔“

یہ سردار لوگ تھے کہ قیامت، جنت اور قبر کی بات ان کی سمجھ میں آنے والی نہ تھی۔ اس لیے رسول اللہؐ نے ان کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے انہی کی زبان میں بات کی کہ ”چودھراہٹ“ قائم رکھنے بلکہ اس کا دائرہ وسیع کرنے کا راستہ بھی یہی ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔

اسی طرح غزوۂ احزاب میں جب قریش اور ان کے حلیف قبائل کو مدینہ منورہ کے محاصرہ میں ناکامی ہوئی اور انہیں بے نیل مرام واپس جانا پڑا تو رسول اکرمؐ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے دو باتیں فرمائیں۔ ایک تو یہ کہا کہ اب قریش کو ہم پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہیں ہوگی اور اب ہم ہی ان کی طرف جائیں گے۔ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ قریش ہمارے خلاف ہتھیار کی جنگ میں شکست کھا چکے ہیں اس لیے اب وہ عرب قبائل میں ہمارے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائیں گے اور ادب و شعر کی جنگ لڑیں

گے۔ شعر گوئی اور خطابت اس دور کا امتیازی اسلوب تھا جس کی طرف رسول اللہؐ نے اشارہ کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ کو ترغیب دی کہ وہ اس جنگ یعنی "میڈیا وار" کے لیے بھی تیار رہیں۔

چنانچہ تین حضرات نے اس معرکہ آرائی کے لیے خود کو پیش کیا (۱) حضرت حسان بن ثابتؓ (۲) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ (۳) حضرت کعب بن مالکؓ۔ اور ان تینوں حضرات نے اس معرکہ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ان حضرات کی باہمی تقسیم کار یہ تھی کہ ایک صاحب جناب نبی اکرمؐ کی مدح و نعت کہتے اور کافروں کے اعتراضات کا جواب دیتے، دوسرے صاحب کافروں کی ہجو و مذمت میں اشعار کہتے، جبکہ تیسرے صاحب رزمیہ شاعری کرتے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق ایسا بھی ہوتا تھا کہ مسجد نبویؐ میں منبر پر کھڑے ہو کر حضرت حسان بن ثابتؓ اشعار سناتے تو خود جناب نبی اکرمؐ سامنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے انہیں داد دیتے اور ان کے لیے دعا فرماتے تھے۔

یہ اس دور کا اسلوب تھا جس میں قبائل اور اقوام ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر اپنی برتری کا اظہار کرتی تھیں۔ اس لیے آنحضرتؐ نے اس اسلوب کو اختیار کرنے سے گریز نہیں کیا بلکہ اس کا بھرپور استعمال کر کے اس محاذ پر بھی قریش کو شکست دی۔

اس کے ساتھ ابلاغ کے ذرائع کو بھی دیکھ لیں کہ وہ دور مشینری کا دور نہیں تھا، ایسے آلات اس دور میں وجود میں نہیں آئے تھے، مگر اپنی بات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کا فطری جذبہ موجود تھا۔ چنانچہ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا خواہشمند ہر شخص اور ہر گروہ یہ جذبہ پوری طرح استعمال کرتا تھا اور جناب نبی اکرمؐ نے بھی ایسے کسی موقع سے استفادہ کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مثلاً عکاظ کا میلہ کوئی مذہبی اجتماع نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک کلچرل فیسٹیول کی ہوتی تھی جس میں ناچ گانا بھی ہوتا تھا، شراب نوشی بھی ہوتی تھی، دنگل بھی ہوتے تھے، شعر و خطابت کے مقابلے بھی ہوتے تھے، خرید و فروخت بھی ہوتی تھی، اور عرب کی جاہلی معاشرت کا ہر اچھا اور برا پہلو اس میں نمایاں ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک رسائی کا ایک ذریعہ بھی ہوتا تھا۔ اس لیے حضورؐ وہاں تشریف لے گئے اور ان سب سرگرمیوں کے باوجود وہاں آئے ہوئے مختلف قبائل کے لوگوں تک اپنی بات پہنچانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ اس طرح کے دیگر میلوں میں بھی جناب رسالت مآبؐ تشریف لے گئے۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے جو ذریعہ بھی موجود ہو اس کی قباحتوں کو دیکھ کر اسے ترک نہیں کر دینا چاہیے بلکہ جس حد تک ممکن ہو اپنے مقصد اور مشن کے لیے اسے استعمال کرنا چاہیے۔

راقم الحروف نے اپنی گفتگو میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی اہمیت بھی بیان کی اور دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ سے گزارش کی کہ انہیں ان دونوں پر دسترس حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ مستقبل میں ان کے بغیر تعلیم اور دعوت دونوں میدانوں میں ہم معاصر اقوام اور طبقات سے بہت پیچھے رہ جائیں گے۔

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد- ۱۸ مئی ۱۹۹۹ء)

تبلیغی جماعت اور قومی سیاست

حضرت مولانا طارق جمیل سے منسوب یہ بات میرے لیے تعجب کا باعث بنی ہے جس میں انہوں نے اپنے عقیدت مندوں کو تلقین کی ہے کہ وہ سیاست میں فریق نہ بنیں اور کسی سیاسی جماعت کا حصہ نہ بنیں، یہ بات اگر انہوں نے کہی ہے تو مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے مگر انہیں اپنی رائے کا پورا حق حاصل ہے اور ان کے اس حق کا احترام کیا جانا چاہیے۔

البتہ اس سے مجھے ایک پرانا قصہ یاد آگیا ہے کہ گوجرانوالہ کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ ہم سب کے مخدوم تھے، والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے استاذ محترم تھے، اور بیک وقت تبلیغی جماعت اور جمعیت علماء اسلام کے اکابرین میں شمار ہوتے تھے۔ وہ رائے ونڈ کی شوریٰ میں اہم مقام رکھتے تھے اور جمعیت علماء اسلام میں مولانا مفتی محمودؒ کے نائب کے طور پر مرکزی ناظم تھے۔ ان کا ذہن دونوں طرف یکساں چلتا تھا، دونوں کو وقت دیتے تھے اور دونوں حلقوں میں انہیں احترام اور عقیدت کا مقام حاصل تھا۔ انہوں نے جمعیت علماء اسلام کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے دو حلقوں میں الیکشن بھی لڑا تھا، میں ان کی انتخابی مہم کا انچارج تھا اور مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں ان کی نیابت و خدمت بھی میری ذمہ داری تھی۔ اسی طرح مرکزی جامع مسجد دونوں کا مرکز تھی، شبِ جمعہ کا اجتماع یہیں ہوتا تھا اور حوض کے ساتھ والا کمرہ جو آج کل میرا دفتر ہے، تبلیغی جماعت کے مقامی بزرگوں کا مسکن ہوا کرتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی یہ جامع مسجد سیاسی و دینی تحریکات کا مرکز بھی تھی کہ ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء سے لے کر اب تک سیاسی و قومی سطح پر اکثر تحریکات یہیں سے چلی ہیں۔ تحریکِ آزادی، تحریکِ ترک موالات، تحریکِ کشمیر، تحریکِ ختم نبوت، تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ، تحریکِ نفاذِ شریعت اور تحریکِ بحالیٔ جمہوریت سمیت بیسیوں تحریکات میں گزشتہ صدی کے دوران اس مسجد نے مرکزی کردار ادا کیا ہے اور اب بھی کوئی قومی یا

شہری مسئلہ سامنے آتا ہے تو شہریوں کی نظریں اسی مسجد کی طرف اٹھتی ہیں کہ یہاں سے کیا بات سامنے آتی ہے اور کونسی تحریک شروع ہوتی ہے۔

ابھی دو روز قبل تمام مکاتبِ فکر کے سرکردہ علماء کرام میرے دفتر میں جمع ہوئے اور اس بات کا جائزہ لیا کہ اقوام متحدہ کی جنرل کونسل میں قادیانیوں کے حوالے سے جو نئی تجویز پیش ہوئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قادیانیوں کے بارے میں پاکستان پر کسی نئے بین الاقوامی دباؤ کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے اور تحریکِ ختم نبوت کے ایک نئے راؤنڈ کی تیاریاں نظر آرہی ہیں۔ ان حالات میں گوجرانوالہ کو بھی اپنا کردار ادا کرنا ہے، چنانچہ اس کے لیے ۲۴ اگست کو کل جماعتی ''استحکامِ پاکستان وختمِ نبوت کانفرنس'' کا انعقاد کا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس کی تیاریوں کے لیے مختلف مکاتبِ فکر کے راہنماؤں پر مشتمل رابطہ کمیٹی قائم کردی گئی ہے۔

اس تناظر میں جب یہ جامع مسجد سیاسی تحریکات اور تبلیغی جماعت دونوں کا مرکز تھی بسا اوقات عجیب صورتحال پیدا ہوجاتی تھی۔ ہمارے ایک محترم بزرگ مرزا محمد یعقوب مرحوم ''فنافی التبلیغ'' قسم کے بزرگ تھے، بہت مخلص اور دیندار تھے اور تبلیغی سرگرمیوں کے لیے ہر وقت وقف رہتے تھے۔ انہیں کسی شبِ جمعہ کو اجتماع میں خطاب کا موقع ملتا تو وہ بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ یہ فرمادیا کرتے تھے کہ بزرگو دوستو! سیاست سے کچھ نہیں ہوگا، جلسوں سے کچھ نہیں ہوگا، جلوسوں سے کچھ نہیں ہوگا، ووٹ سے کچھ نہیں ہوگا، الیکشن سے کچھ نہیں ہوگا، بس جو کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنے سے ہوگا۔ اگلے دن جمعہ مجھے پڑھانا ہوتا تھا، وہ جس رات یہ بیان فرماتے میں اگلے روز جمعۃ المبارک کے بیان میں اسی جوش وجذبہ کے ساتھ یہ کہہ دیتا تھا کہ اسلامی نظام کے نفاذ اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے جلسہ بھی عبادت ہے، جلوس بھی عبادت ہے، ووٹ بھی عبادت ہے، الیکشن بھی عبادت ہے، سیاست بھی عبادت ہے اور تحریک بھی عبادت ہے۔ متعدّد بار ایسا ہوا کہ رات کو انہوں نے اپنی گردان پڑھی اور صبح کو جمعہ میں، میں نے اپنی گردان دہرادی۔ اس سے شہر میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ اسی منبر پر رات کو کچھ کہا جاتا ہے اور صبح کو کچھ اور کہہ دیا جاتا ہے۔

کچھ دوستوں نے حضرت مولانا مفتی عبدالواحدؒ سے اس کی شکایت کی تو انہوں نے ہم دونوں کو طلب کرلیا اور اس پر باز پرس کی۔ میں نے عرض کیا کہ ہم یہاں سے سیاسی ودینی تحریکات چلاتے ہیں اور آپ

کی سرپرستی میں ان تحریکات کا نظم میرے ہاتھ میں ہوتا ہے، میں اس بات میں پہلے نہیں کرتا مگر جس شبِ جمعہ کو مرزا صاحب محترم یہ بات فرماتے ہیں تو اگلے روز اپنا موقف پیش کرنا اور اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنا میرے لیے ضروری ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی صاحب نے دونوں کو سرزنش کی اور محتاط رہنے کو کہا، اور تھوڑے عرصہ کے بعد جب شبِ جمعہ کا اجتماع اور تبلیغی مرکز جامع مسجد سے مکی مسجد ڈیوڑھا پھاٹک میں منتقل ہوا تو ہمارے درمیان بھی ''سیز فائر'' ہوگیا۔

جہاں تک تبلیغی جماعت کا تعلق ہے میں اس کے خدام میں سے ہوں۔ خود بھی الحمدللہ سالہا سال سے شہر کے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ سال میں ایک سہ روزہ لگاتا ہوں اور لوگوں کو بھی جماعت میں وقت لگانے کی تلقین کیا کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے علماء کرام کے لیے میری ایک تلقین یہ بھی ہوتی ہے کہ موقع ملے تو تبلیغی جماعت کے ساتھ سال ضرور لگائیں، اس سے دیگر فوائد کے ساتھ دو نقد فائدے یہ ہوں گے کہ آپ کے روزمرہ کے معمولات اور اوقات کی ترتیب قائم ہوجائے گی، اور اس کے ساتھ آپ لوگ ''پبلک ڈیلنگ'' بھی سیکھ لیں گے جس کا ہمارے ہاں فقدان ہے۔ البتہ اس کے ساتھ سیاسی جدوجہد کی نفی اور سیاسی دینی جماعتوں کی تحقیر کو نتھی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

سیاسی جدوجہد حضرت شیخ الہندؒ کے دور سے ہماری دینی محنت کا ناگزیر حصہ چلی آرہی ہے، ہم نے اس کے ذریعے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور بہت کچھ بچایا ہے، اور اب بھی دینی جدوجہد میں پیشرفت اور اسلام دشمن رجحانات کی روک تھام کے لیے یہی راستہ سب سے زیادہ مؤثر ہے۔ اس لیے میری گزارش سب دوستوں سے یہ ہے کہ اگر اس کی تائید نہیں کی جاسکتی تو کم سے کم اس کی نفی اور تحقیر تو نہ کی جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر گامزن کردیں، آمین یارب العالمین۔

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۱ اگست ۲۰۱۹ء)

معاشی نظام اور ایک تبلیغی مثال

روزنامہ نوائے وقت لاہور میں ۱۰ جنوری ۲۰۰۶ء کو شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق ملک میں اسلامی بینکاری کے فروغ کے لیے اسلامک فنانشل سروسز انڈسٹری کے تحت دس سالہ پلان تشکیل دیا گیا ہے۔ اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ، اسلامک ڈویلپمنٹ بینک اور اسلامک فنانشل سروسز بورڈ کے مشترکہ تعاون سے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جائے گا، اسلامک فنانشل سروسز کو عالمی تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے بنایا جائے گا۔ اور اسلامی بینکاری میں اجارہ، مضاربہ، مرابحہ، مشارکہ، قرضِ حسنہ، صدقہ، سکوک، تکافل، زکوٰۃ کے فروغ اور اسے لاگو کرنے کے لیے پالیسیاں وضع کی جارہی ہیں۔ پیش کردہ اندازے کے مطابق آئی ایف ایس آئی کے تحت اس پروگرام کی کامیابی کی صورت میں اسلامی بینکاری کا مالیاتی حجم ۳۶۴۱ ملین ڈالر تک پہنچ جائے گا، منصوبہ میں نئے اسلامی بینکوں کا قیام اور روایتی بینکاری کو اسلامی بینکاری کے تحت تبدیل کرنے کا مرحلہ وار پروگرام بھی شامل ہے۔

ایک دور وہ تھا جب معیشت، بینکاری اور تجارت کے حوالہ سے اسلامی تعلیمات کی بات کی جاتی تھی تو ہمارے جدید تعلیم یافتہ دوست یہ کہہ کر چہرے کا رخ دوسری طرف کر لیا کرتے تھے کہ یہ پرانے دور کی باتیں ہیں جو فرسودہ ہو چکی ہیں، آج کے دور میں ان پر عمل ممکن نہیں ہے اور ان کی بنیاد پر کوئی قابلِ عمل سسٹم ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن یہ اسلام اور اس کی تعلیمات کا اعجاز ہے کہ آج ان شعبوں میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ترمیم اصلاح اور ان کی از سرِ نو تشکیل کے منصوبے بن رہے ہیں اور ان کے لیے اعلیٰ سطح پر پیشرفت ہو رہی ہے۔

ہمارے لیے یہ بات انتہائی خوشی کا باعث ہے لیکن اس کے ساتھ تشویش کا یہ پہلو بھی ہمارے سامنے ہے کہ ان منصوبوں اور پروگراموں کے لیے رجال کار کی فراہمی چند افراد کی استثنا کے ساتھ جدید تعلیم کے اداروں کی طرف سے ہو رہی ہے، جو فن اور تکنیک کے حوالے سے یقیناً معیشت و

بینکاری کا بہترین تجربہ رکھتے ہیں لیکن ان شعبوں کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے کماحقہٗ بہرہ ور نہیں ہیں۔

اس لیے ہمیں ڈر لگ رہا ہے کہ جس طرح حدود و تعزیرات اور دیگر چند شرعی قوانین سالہا سال سے نافذ ہونے کے باوجود کامیاب نہیں ہو رہے، اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ شرعی قوانین جس عدالتی نظام کے ذریعے نافذ کیے گئے ہیں وہ عدالتی نظام اسلامی اصولوں کی بجائے نوآبادیاتی فرنگی نظام کے تحت تشکیل پایا ہے، اور جن افراد اور رجال کار کے ہاتھوں ان شرعی قوانین کی عملداری کا اہتمام کیا گیا ہے ان کی غالب اکثریت خود اپنے شعبہ کے بارے میں بنیادی اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نہیں ہے۔ اس لیے یہ شرعی قوانین کاغذی طور پر نافذ ہونے کے باوجود مثبت نتیجہ نہیں دے رہے بلکہ اس سے ان کے آج کے دور میں ناقابلِ عمل ہونے کے تاثر کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔

اسی طرح معیشت و تجارت اور بینکاری کے شعبوں میں اسلامی تعلیمات کو موجودہ سسٹم میں فٹ کرنے اور اسلامی تعلیمات سے نابلد رجال کار کے ذریعے ان پر عملدرآمد کے اہتمام کرنے سے اسی طرح کے نتائج سامنے آنے کا خطرہ ہے۔

گزشتہ دنوں ایک مجلس میں تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ نے اس سلسلہ میں اچھی مثال دی کہ اگر کوئی شخص اس سال کی حسینہ عالم کو بھاری معاوضہ دے کر اس بات پر آمادہ کر لے کہ وہ اس کا خوبصورت ناک پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنے چہرے پر فٹ کرانا چاہتا ہے۔ حسینہ عالم اس بات پر تیار ہو جائے اور پلاسٹک سرجری کے ذریعے وہ شخص اس کے ناک کو اپنے چہرے پر فٹ کرا لے، تو اس سے نہ اس کے حُسن میں اضافہ ہو گا اور نہ ہی ناک کا حُسن باقی رہے گا، بلکہ ناک اپنا حُسن کھو بیٹھے گا اور اس شخص کا چہرہ پہلے سے زیادہ بدصورت ہو جائے گا۔ بلاشبہ یہ ناک اس سال کا سب سے خوبصورت ناک سمجھا گیا ہے لیکن اس کی تمام تر خوبصورتی اس جسم کے تناسب اور تناظر میں ہے جس کے ساتھ اسے یہ اعزاز ملا ہے، اس سے ہٹ کر اس کی خوبصورتی نہ صرف یہ کہ قائم نہیں رہے گی بلکہ بدصورتی میں تبدیل ہو جائے گی۔

اسی طرح اسلامی حدود و تعزیرات اور بلاسود بینکاری بلاشبہ دنیا کے سب سے اعلیٰ قوانین ہیں لیکن ان کی برتری اور خوبصورتی کا مدار اس پر ہے کہ وہ پورے اسلامی نظام کے ساتھ ہوں اور انہیں چلانے

والے افراد اسلامی تعلیمات سے کماحقہٗ بہرہ ور ہوں ورنہ وہ اپنی افادیت اور خوبصورتی سے محروم ہوجائیں گے۔ اس سے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ یہ عمل روک دیا جائے اور اس پیشرفت کو بریک لگادی جائے، البتہ ہماری یہ خواہش ضرور ہے کہ اس عمل کے لیے ایسے رجال کار کی فراہمی کی طرف زیادہ توجہ دی جائے جو معیشت، تجارت اور بینکاری کے جدید اصولوں اور سسٹم سے کماحقہٗ واقفیت رکھنے کے ساتھ قرآن و سنت کی تعلیمات سے بھی گہری آگاہی اور ادراک رکھتے ہوں اور اس کے لیے سب سے زیادہ دینی مدارس کو توجہ دینا ہوگی کہ وہ اپنے ذہین، باذوق اور باصلاحیت فضلاء کو اس مقصد کے لیے تیار کریں۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر ملک کے چالیس پچاس بڑے مدارس اس امر کا اہتمام کرلیں کہ اپنے فضلاء میں سے ہر سال دو یا تین طلبہ کو اپنے نظم کے تحت معیشت اور بینکاری کے جدید اصولوں اور سسٹم کی باقاعدہ تعلیم دلائیں اور انہیں ماسٹر ڈگری (ایم اے) تک لے جاکر اس شعبہ کے لیے تیار کریں تو معیشت کے ان شعبوں میں ہونے والی مذکورہ بالا پیشرفت کو مفید بنایا جاسکتا ہے۔ ورنہ یہ تگ و دو بھی ایسا کرنے والوں کے تمام تر خلوص کے باوجود حدود و تعزیرات کے قوانین سے مختلف نتائج حاصل نہیں کرسکے گی، خدا کرے کہ ہم اس سلسلہ میں بروقت کوئی مثبت اور مفید کردار ادا کرسکیں، آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - افروری ۲۰۰۶ء)

مسجد کے اعمال زندہ کرنے کی ضرورت

مسجد کا ہمارے معاشرے میں مقام اور کردار کیا ہے، اس حوالے سے آج کچھ گزارشات پیش کرنا چاہوں گا۔ ہمارے تبلیغی بھائی اکثر اوقات ایک جملہ کہا کرتے ہیں کہ ہماری جدوجہد کا ایک مقصد مسجد کے اعمال کو زندہ کرنا بھی ہے، یہ بالکل درست ہے اور ضروری بات ہے۔ اس لیے کہ خیر القرون میں مسجد میں جو کام ہوا کرتے تھے، مسجد کے اصل کام وہی ہیں، جن میں سے آج بہت سے کام مسجد میں نہیں ہو رہے۔ چنانچہ ہمارے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ مسجد کے کاموں کی طرف توجہ دیں اور ان میں سے جن کاموں کا ماحول ہم بنا سکتے ہیں اس کی کوشش کریں۔

اس سلسلہ میں ایک روایت پیش کرنا چاہوں گا کہ ایک دفعہ مسجدِ نبویؐ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے مسجد میں ایک طرف پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اسے روکنا چاہا تو حضورؐ نے انہیں اس سے منع کر دیا۔ وہ فارغ ہوا تو اسے بلا کر نرمی سے سمجھایا کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ وہ نماز، ذکر اور تلاوت کلامِ پاک کے لیے بنائی جاتی ہیں۔

مسجد کے تین بنیادی کام

چنانچہ مسجد کے بنیادی کام تین ہیں:

1. ایک یہ کہ اس میں نماز کا اہتمام ہو کیونکہ نمازیں مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے۔ البتہ عذر اور ضرورت کے وقت دوسری جگہ پڑھی جا سکتی ہے۔ مردوں کے لیے اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ اہتمام سے نماز پڑھیں اور اگر کوئی عذر یا مجبوری ہو تو گھر میں، دکان پر یا کسی اور جگہ میں بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ مگر ہمارا ماحول یہ بن گیا ہے کہ اگر وقت، گنجائش اور سہولت ہے تو مسجد میں چلے جاتے ہیں ورنہ اگر پڑھنی بھی ہے تو جہاں ہوتے ہیں

وہیں پڑھ لیتے ہیں، گویا ہم نے آج کل یہ معاملہ الٹ کر رکھا ہے۔

2. دوسرا کام قرآن کریم کی تلاوت و تعلیم ہے جس کا اہتمام مسجد میں ہونا چاہیے اور اکثر مساجد میں اس کا اہتمام ہوتا ہے۔
3. تیسرا کام ذکر ہے جس سے مراد ذکر و اذکار بھی ہے، وعظ و نصیحت بھی ہے اور دعوت و تبلیغ بھی اس کا حصہ ہے۔

خیر القرون میں مسجد کا کردار

مگر خیر القرون میں اس کے علاوہ بھی بہت سے کام مساجد میں ہوتے تھے جو آج نہیں ہو رہے اور ان کاموں کو مسجد کے ماحول میں واپس لانا میرے خیال میں مسجد کے اعمال کو زندہ کرنے کا اصل مفہوم ہے، مثلاً:

- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتِ راشدہ کے دور میں عدالت مسجد میں لگتی تھی اور مقدمات وہاں بیٹھ کر سنے جاتے تھے۔ آج اگر وہ سارا کام مسجد میں واپس نہیں لایا جا سکتا تو کم از کم یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ محلہ میں ہونے والے باہمی تنازعات کو مصالحت کے ذریعے حل کرانے کا کوئی نظم مسجد میں بنایا جائے۔ اگر مسجد کی کمیٹی اور محلہ کے ذمہ دار افراد کوئی ایسا ماحول بنا لیں کہ اس علاقہ میں ہونے والے تنازعات اور جھگڑوں کو مسجد میں پنچایت اور مصالحت کے انداز میں نمٹا دیا جائے تو بہت سے لوگ تھانہ کچہری کے چکروں اور اخراجات سے بچ جائیں گے اور عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ بھی کم ہو گا۔ یہ کام پنچایت، کونسلنگ اور مصالحت کے عنوان سے دنیا کے مختلف ممالک میں ہو رہا ہے اور پاکستان کا دستور و قانون بھی اس کی گنجائش دیتا ہے، اس لیے میری گزارش پر مسجد کی کمیٹی اور منتظمین سے یہ ہے کہ وہ اپنے ماحول اور ضروریات کے دائرے میں اس کی کوئی صورت بنائیں۔
- دوسرا کام رفاہِ عامہ کا ہے جس کے لیے مسجد سب سے بہتر مرکز ہو سکتی ہے اور خیر القرون میں مسجد ہی اس کام کا مرکز رہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر ضرورتمندوں کی باتیں سنتے تھے اور انہیں پورا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ محلہ کے لوگوں کو اپنے اردگرد کے ضرورتمندوں کا زیادہ علم ہوتا ہے اور وہ بہتر طور پر

سمجھتے ہیں کہ کس شخص اور خاندان کو مدد کی ضرورت ہے اور کس حد تک ہے۔ اس سے فریب اور دھوکے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں جو آج کل عام ہو گئے ہیں۔ اور بھیک مانگنے والوں کے ہجوم میں اصل ضرور تمند محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے مساجد کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ مسجد کے باقی شعبوں کے ساتھ محلہ کے ضرور تمندوں کا خیال رکھنے اور ان کی ضرورت کے مطابق امداد کو بھی اپنی ذمہ داریوں میں شامل کر لیں۔ ان کاموں کا مرکز اگر مسجد ہو گی تو اس میں برکت ہو گی اور صحیح راہنمائی بھی میسر آئے گی۔

چنانچہ مسجد کے اعمال میں (۱) نماز (۲) قرآن کریم کا درس و تعلیم (۳) ذکر و اذکار (۴) دعوت و تبلیغ (۵) مصالحت و پنچایت اور (۶) ضرور تمندوں کی دیکھ بھال کے ساتھ (۷) باہمی ربط و تعاون کا ماحول بڑھے گا تو معاشرے کی مجموعی صورتحال پر بھی اس کا مثبت اثر پڑے گا جو آج کی ایک اجتماعی ضرورت ہے۔

ان گزارشات کے ساتھ میں اس علاقہ کے تمام مسلمان بھائیوں کے ساتھ ساتھ مسجد و مدرسہ بنانے والوں اور اس کا انتظام چلانے والے دوستوں کو مبارک باد دیتا ہوں، خدا کرے کہ ہم ضرورت کی ہر جگہ میں اس قسم کا ماحول بنا کر اپنی نئی نسل کو بے راہ روی سے بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور ان کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلا سکیں، آمین یارب العالمین۔

(۲۴ جون ۲۰۲۲ء کو مسجد ارشد جاوید، سینرہ گورائیہ، گوجرانوالہ میں خطاب)

آج کل کی شادیوں کا ماحول

نکاح کی کوئی تقریب مسجد میں ہوتی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے کہ یہ سنت کے مطابق ہے۔ اور پھر شادی کے حوالے سے جو خرافات عام ہو گئی ہیں کم از کم خطبہ اور ایجاب و قبول کے معاملات اس سے ہٹ کر مسجد کے ماحول میں طے پا جاتے ہیں۔ اس لیے ایسی تقریب کے ہر موقع پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں اور اپنی گفتگو میں اس کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کو بھی شامل کر لیتا ہوں۔ خرافات کا یہ سلسلہ اس قدر وسعت پکڑ چکا ہے کہ کہیں مجبوراً شریک ہونا پڑ جائے تو بہت پریشانی ہوتی ہے۔ بالکل انکار کو جی نہیں چاہتا کہ علماء اور سوسائٹی کے درمیان کسی نہ کسی درجہ میں کوئی تعلق باقی رہنے کے جو چند مواقع باقی رہ گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور مکمل مقاطعہ کی صورت میں علماء اور معاشرہ کے

درمیان رابطہ کی رہی سہی صورتیں بھی معدوم ہوتی نظر آنے لگتی ہیں۔ لیکن شادیوں کا ماحول اب ایسا ہوگیا ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھنا بھی بے چینی کا باعث بن جاتا ہے۔

دو سال قبل گوجرانوالہ کے ایک اچھے خاصے مذہبی گھرانے کی شادی کی تقریب میں شریک ہوا تو وہاں الامان الحفیظ کا سماں تھا۔ خود پر ضبط کر کے بمشکل نکاح پڑھایا اور پھر چپکے سے وہاں سے ایسے کھسک آیا کہ کم و بیش ایک کلو میٹر تک کوئی سواری میسر نہیں آئی اور رات کے اندھیرے میں پیدل چل کر ویگن سٹاپ پر پہنچا۔ اسی وجہ سے کوشش کرتا ہوں کہ شادی کی تقریبات میں شرکت سے حتی الوسع گریز کروں اور اگر مسجد میں نکاح کی صورت ہو تو اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔

مسجد میں نکاح کا ایک خوش آئند واقعہ

اس پس منظر میں وزیر آباد میں ہونے والی ایک شادی کی تقریب بہت زیادہ خوشی کا باعث ہوئی۔ مغل برادری میں شادی تھی، دولہا میاں کا نام غالباً فخر عالم ہے۔ پاکستان شریعت کونسل کے امیر حضرت مولانا فداء الرحمن درخواستی کو نکاح کے لیے بطور خاص دعوت دی گئی تھی اور وہ کراچی سے تشریف لائے تھے۔ شادی ایک میرج ہال میں تھی جو مولانا موصوف کی وجہ سے قدرے مناسب ماحول میں تھی۔ لیکن عین نکاح کے وقت دلہن نے تقاضہ کیا کہ اس کی خواہش ہے کہ نکاح مسجد میں ہو۔ اس کا کہنا تھا کہ مسجد شادی ہال کے قریب ہی ہے نکاح وہاں ہو جائے، باقی معاملات شادی ہال میں چلتے رہیں۔ فوری طور پر اس کے مشکل ہونے کا ذکر کیا گیا تو وہ مصر بلکہ بضد ہوگئی کہ نکاح مسجد میں ہی ہوگا اور وہ خود ہی وہاں سے اٹھ کر قریب ایک مسجد کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔ شادی ہال کا نام صدیق پیلس ہے اور مسجد الخلیل اس کے پڑوس میں ہے۔

رات کا وقت تھا جب دلہن خود ہی مسجد کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی تو مجبوراً مسجد کھلوائی گئی اور مولانا درخواستی نے مسجد میں جا کر یہ نکاح پڑھایا۔ میں خود اس تقریب میں شریک نہیں تھا، جب اگلے روز مولانا درخواستی سے ملاقات کے لیے وزیر آباد گیا تو پروفیسر حافظ منیر احمد نے اس واقعہ کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ سچی بات ہے کہ بہت خوشی ہوئی اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ رب العزت اس بچی کو دنیا و آخرت کی برکات، سعادتوں اور خوشیوں سے نوازیں کہ اس نے آج کے دور میں ایک سنت پر عمل کے لیے اصرار کیا اور اس میں کامیابی حاصل کی، آمین یارب العالمین۔

اس حوالے سے میری گزارش عام طور پر یہ ہوتی ہے کہ ہم نکاح اور شادی کو سنت سمجھ کر سرانجام دیتے ہیں اور نکاح کے ہر خطبہ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی شامل ہوتا ہے کہ نکاح میری سنت ہے۔ تو جب ایک کام کو سنت سمجھ کر کرتے ہیں تو اسے سنت کے مطابق کرنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے اور کم از کم خطبہ نکاح اور ایجاب و قبول کا مرحلہ تو خرافات سے پاک مسجد کے ماحول میں ہی ہونا چاہیے۔ بہرحال ایک اچھی بات دیکھی تو اس میں اپنے قارئین کو شامل کرنا بھی مناسب سمجھ کر اس کا ذکر کر دیا۔

(روزنامہ اسلام، لاہور—۲۲ مارچ ۲۰۱۵ء)